ہر مرض کی دوا
دعوتِ الی اللہ

سید محمد ذوالفقار علی الحسنی اشرفی حقی (چترویدی)

کے

ہر مرض کی دوا

دعوتِ الی اللہ

سید محمد ذالفقار علی الحسنی اشرفی حقی (چترویدی)

Published by

Tanveer Publication

Hydro Electric Machinery Premises

A/13,Ram Rahim Udyog Nagar,

L.B.S Marg, Sonapur, Bhandup (W), Mumbai- 400078

Mob:9320064026/022-25965930

qsk1961@gmail.com

مقدمہ

شریعتیں منسوخ ہوئیں، دین کبھی منسوخ نہیں ہوا۔ دین ہی اصل میں جوڑنے والی چیز ہے۔ ہم سب کا پیدا کرنے والا معبود ایک ہے۔ وہ سب کا ہے اور سب اسکے ہیں۔ اسکا قانون بھی سب کیلئے ایک ہے۔ اسکے قانون کا نام بھی ایک ہے جس کو'' دین قیم، دین فطرت اور اسلام'' کہتے ہیں۔ اِنّ الدّین عِندَ اللہِ الاسلام''۔ اسی دین اسلام کی بہت ساری خدائی کتابیں مختلف پیغمبروں پر مختلف زمانوں میں اور مختلف زبانوں میں ہر جگہ ہر قوم میں نازل ہوتی رہیں۔ وید سے قرآن تک سب اسی ایک دھرم کی کتابیں ہیں۔

ریکارڈ کا دور نہ ہونے کے باعث سابقہ تمام کتابیں ردّ وبدل، ترمیم وتحریف سے پاک نہ رہ سکیں البتہ قرآن آخری کتاب اللہ کا شکر ہے سب کے نزدیک اپنی اصلی شکل میں موجود ومحفوظ ہے۔ جس کو بنیاد بنا کر سابقہ کتب کی تحریفات کا جائزہ لیکر اصل دین کو سامنے لایا اور پیش کیا جاسکتا ہے۔

اللہ کا پیغام ہمیشہ سے ایک رہا ہے۔ صرف پیغمبر بدلتے رہے۔ آدم سے نبی کریم ﷺ سب اسلام دھرم کے پیغمبر ہیں۔ دین اسلام حضرت آدمؑ ونوحؑ سے شروع ہوا اور حضرت محمد ﷺ پر ختم ہوا۔ واضح رہے دین سارے نبیوں کا ایک رہا ہے۔ کان دین الانبیاء واحد (بخاری)۔ البتہ شریعتیں بدلتی رہیں آپ ﷺ کے بعثت کے بعد سابقہ تمام شریعتیں بھی منسوخ ہوگئیں مگر دین وہی باقی رہا جو حضرت آدمؑ ونوحؑ کا دین تھا۔

اب آپ کے ذریعے آیا ہوا دین اللہ کی کتاب کا آخری مکمل ایڈیشن قرآن کی شکل میں اور آپ کی شریعت جسنے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کردیا ''شریعتِ محمدی'' کی شکل میں قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کیلئے کافی ہے۔ آپؐ اللہ کے آخری پیغمبر اور خاتم النبی ہیں اب جو کام آپؐ کا تھا وہی امت کا ہے۔ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور پوری امت رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ اگر امت اپنے فرض منصبی فریضۂ دعوت کو چھوڑ دیگی تو اللہ اسے ہٹا کر دوسری قوم کو کھڑا کردیگا وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھ دے، یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

موسید محمد ذالفقار علی الحسنی اشرفی حقی (چترویدی) کی یہ کتاب امت کو اپنے اسی فرض منصبی اور فریضۂ دعوت پر کھڑا کرنے کی ایک بہترین کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور پوری امت کو دعوت کے کام کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آپ سب کا خادم
مفتی محمد الیاس قاسمی

فہرست

۱۔ ہر مرض کی دوا دعوتِ الی اللہ ۴
۲۔ دعوتِ دین میں فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ ۶
۳۔ دعوت وتبلیغ کے دو اہم شرائط ۷
۴۔ اسلام اور ہندوستان ۹
۵۔ دعوت وتبلیغ کی تیاری ۱۴
۶۔ دعوت وتبلیغ کا کام کیسے کریں۔ ۱۸
۷۔ دعوت وتبلیغ میں کس کام سے بچیں ۲۹
۸۔ داعی کے اوصاف کیا ہوں؟ ۳۴

کتاب کا نام : ہر مرض کی دوا دعوتِ الی اللہ
تالیف : سید محمد ذوالفقار علی الحسنی اشرفی حقی (چترویدی)
پہلی اشاعت : 2016
تعداد : 2000
کمپوزنگ : سلمان شیخ
قیمت : -/30 روپے
ISBN No : 978-93-80778-37-2
پبلیشر : تنویر پبلیکیشن

کتاب ملنے کا پتہ

روشنی پبلیشر، سی۔۱۲۹۸، سپنا کولونی، راجاجی پورم، لکھنؤ، فون نمبر: 09453834478 (مولانا اخلاق ندوی)

فردوس کتاب گھر، ۱۷۹، وزیر بلڈنگ، شالیمار ہوٹل کے پاس، محمد علی روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی نمبر۔۴۰۰۰۰۳

۱۔ ہر مرض کی دوا دعوت الی اللہ

دور حاضر میں مسلمانوں کے لئے بہت سی بڑی آزمائشیں ہیں ۔ ہر طرف مسلمان دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہیں۔ ہر طرف داخلی و خارجی مسائل و مشکلات کا سامنا ہے، خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے بے شمار مسائل ہیں۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے لوگ اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق مفید مشورے اور رائیں دیتے ہیں۔ ان مسائل و مشکلات کو حل کرنے کے لئے نت نئے منصوبے بناتے ہیں جن سے فائدہ تو ہوتا ہے، مگر یہ تمام منصوبے اور تمام تدابیر مسائل کو جزوی طور پر حل کرتے ہیں۔ کوئی ایسا منصوبہ یا ایسی تدبیر اب تک نہیں برتی گئی جو سارے مسائل و مشکلات کے حل کے لئے شاہ کلید ہو۔ وہ شاہ کلید دعوت الی اللہ ہے۔ تاریخ و سیرت شاہد ہے کہ جب جب اس دعوت الی اللہ کو اپنایا گیا فتوحات کے دروازے کھلتے گئے، انسانیت کو امن و محبت، چین و سکون کی زندگی ملی، جوں جوں ایمان پھیلا، اکثریت صاحب ایمان کی ہوئی اور پھر مسائل بھی حل ہوئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اقلیتوں کی مشکلات و مسائل زیادہ ہوتے ہیں اور جو اکثریت میں ہوتے ہیں ان کے مسائل بہت کم ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل یقیناً زیادہ ہیں اس کی وجہ بھی اقلیت ہونا ہی ہے۔ جب اکثریت ہوگی تو مسائل بھی حل ہو جائیں گے۔ اور اس کی شاہ کلید دعوت الی اللہ ہی ہے۔ چوں کہ اسلام کے مزاج میں وسعت و پھیلاؤ اور فراخی ہے، اس کا مزاج آفاقی ہے۔ اسلام جہاں داخل ہوتا ہے اس کے پورے حلقے کو اپنے دامن میں لے لیتا ہے، اور اس کو اسلامی گہوارہ بنا دیتا ہے۔ چاہے بعض مسلمانوں کے کردار جیسے تیسے رہے ہوں۔ جب ایران و عراق اور مصر میں اسلام داخل ہوا تو پورے ملک کو اسلامی گہوارہ بنا دیا، جہاں بھی داخل ہوا پھیلتا چلا گیا، کوئی بھی طاقت اسے نہ روک سکی، مگر دنیا میں دو ایسے ممالک ہیں جہاں ملمع سازی کر کے اسلام کو روک دیا گیا، ایک اندلس دوسرا ہندوستان۔ ہندوستان واحد ملک ہے کہ جہاں عرب کے بعد سب سے پہلے اسلام داخل ہوا مگر یہاں کے برہمنوں نے یہ کہہ کر کہ نہ تم میرے معاملے میں دخل دو اور نہ ہم تم مسلمانوں کے معاملے میں دخل دیں گے، اس طرح دعوت دین کا تصور ہی ختم کر دیا۔

ہندوستان میں تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی ہے، لیکن اس وقت یہاں کے باشندوں کو دین کی نعمت سے محروم رکھا گیا اور اس دین کی کما حقہ تبلیغ نہیں کی گئی، جس کا نتیجہ ہے کہ آج بھی ہم اقلیت میں ہیں۔ آج سے کچھ دنوں پہلے لوگ دعوت کو فتنہ فساد کا ذریعہ سمجھتے تھے کہ اس سے فساد برپا ہونے کا دروازہ کھلے

گا یعنی اس کا تصور ہی نہیں تھا کہ دعوت بھی ایک ضرورت ہے، غیر ضروری سمجھ کر لوگ بجائے موافقت کے مخالفت کرتے تھے۔مگر جب مسائل پر نظر پڑی کہ مسلمانوں کے مسائل لاکھ کوششوں کے باوجود بھی حل نہیں ہورہے ہیں تب احساس ہوا کہ مسائل حل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم اقلیت میں ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جو اقلیت میں ہوتے ہیں ان پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔اگر ہمیں مسائل کو حل کرنا ہے تو اپنی اقلیت کو اکثریت میں بدلنا ہوگا اور اقلیت کو اکثریت میں بدلنے کا تیر بہدف نسخہ ''دعوت دین'' ہی ہے۔

دعوتِ دین کا مطلب یہ نہیں کہ علی الاعلان لوگوں کو سنا دیا جائے کہ اسلام برحق ہے اور یہی سچ ہے، بلکہ دعوت کا مطلب یہ ہے کہ حجت پوری ہو جائے اور اتمام حجت کا مطلب یہ ہے کہ مدعو کو اتنی بار اس طرح سمجھا دیا جائے کہ اُسے پوری طرح سمجھ میں آجائے اور یقین ہو جائے کہ حق تو یہی ہے، چاہے وہ مانے یا نہ مانے، ہدایت دینا اللہ کا کام ہے، ہمارے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہے، ہم اپنے کام کو جاری رکھیں اللہ ان کی ہدایت کا سامان کرے گا۔

داعی کا کام یہ نہیں کہ وہ اپنے سارے کاموں کو ترک کردے اور پورے طور پر میدان دعوت میں لگ جائے، بلکہ داعی کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے کاموں کے ساتھ ساتھ دعوتی کاموں کو بھی کرتا رہے کیونکہ مسلمان اور دعوت اسلام دونوں الگ الگ جُز ہیں یہ نہیں کہ ایک کی خاطر دوسرے کو ترک کیا جائے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی بیس فیصد ہے اور بقیہ اسّی فیصد غیر مسلمین ہیں، اسّی کو بیس سے تقسیم کریں تو ایک مسلمان کے حق میں چار غیر مسلمین آتے ہیں۔ایک مسلمان اگر اپنا یہ نشانہ مقرر کرلے کہ پانچ سال میں چار غیر مسلم بھائی کو ضرور دعوت دینی ہے اور ان چاروں کو پوری پختگی سے یہ سمجھا دیں کہ حق تو صرف یہی اسلام ہے تو ان شاء اللہ ان چار میں سے تین تو بہر حال اسلام قبول کریں گے اور ایک جو باقی رہ گئے ہیں ان کے لیے اگر پانچ سال اور لے لیے جائیں تو پورے دس سال میں چاروں غیر مسلم بھائی مسلمان ہوں گے۔اس طرح اقلیت کا مسئلہ اکثریت میں تبدیل ہو سکے گا اور خدا نہ خواستہ اسلام کی ہدایت انہیں نہیں بھی ملی تو کم از کم عداوت و دشمنی اور نفرت و تعصب محبت و ہمدردی میں تبدیل ہوگی۔سو تیلا پن ختم ہو کر بھائی چارگی تو عام ہوگی، شرط یہ ہے کہ مسلمان دعوت کی اہمیت وضرورت اور اس کی افادیت کو سمجھیں **اِنّ اللہ لایُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُ وامَابِاَنْفُسِھِمْ**( )

(خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو احساس جس کو آپ اپنی حالت کے بدلنے کا)

☆☆☆☆☆

۲۔دعوت دین فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے بے شمار انبیا اور رسل کی بعثت فرمائی ہے۔ دنیا میں جتنے پیغمبروں کی بعثت ہوئی ہے سبھی کی صدا دعوت الی اللہ ہی تھی۔اللہ تعالیٰ نے اس سلسلۂ نبوت ورسالت کو حضور ﷺ پر ختم فرمادیا اور اس کار نبوت کی ذمہ داری اسی امت محمدیہ کے سپرد کردیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کنتم خیر امة اخرجت اللناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر (آل عمران: ۱۱۰) یعنی تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیے برپا کیے گئے ہو، تم معروف کا حکم کرتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔

معروف کی فہرست تو بہت طویل ہے مگر معروف میں سب سے بڑا درجہ ایمان ہے۔اسی طرح منکر کی بھی لمبی فہرست ہے، مگر سب میں بڑھا ہوا منکر شرک ہے، اس امت کے خیر امت سے منسوب کیے جانے کہ وجہ یہ ہوئی کہ یہ امت ایمان کا حکم دیتی ہے اور شرک سے روکتی ہے۔ جب یہ طے ہوگیا کہ پوری امت خیر امت میں برابر ہے تو خیریت کی وجہ ''فریضۂ دعوت'' میں بھی برابر کی حصہ داری ہوگی۔ معلوم ہوا کہ فریضۂ دعوت امت کے لیے فرض عین کا درجہ رکھتی ہے۔ ہاں البتہ زندگی کے مختلف شعبے ہوتے ہیں، تمام شعبہ ہائے زندگی دعوت کی تعمیر وترقی کے لیے ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ سارے لوگ میدان عمل میں آئیں گے تبھی دعوت کا کام ہوگا، ہاں یہ ضروری ہے کہ کچھ لوگ دعوت کی ذہن سازی کریں، کچھ افراد سازی کریں اور کچھ میدان عمل میں آئیں، یہ تمام اپنی اپنی جگہ دعوتی کام ہیں۔جس طرح ایک گاڑی کے لیے کچھ لوگ انجن بناتے ہیں اور کوئی اس کا ڈھانچہ اور پہیا بناتا ہے۔ یہ سب گاڑی کی تعمیر کرنے والے کہلاتے ہیں، اسی طرح زندگی کے مختلف شعبہ جات ہیں، ہر جگہ سے ہونے والا دعوتی کام فریضہ دعوت کی تعمیل ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر (آل عمران:۱۰۴) ضرور تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو خیر کی طرف لوگوں کو بلائے۔

اس آیت کی بنیاد پر دعوت دین کے متعلق کچھ علماء کی رائیں یہ رہی ہیں کہ ''دعوت دین فرض کفایہ'' ہے۔اگر فرض کفایہ بھی مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معذورین کے علاوہ اس کام کو انجام دینے کے لیے اتنے لوگ تیار ہوں کہ مزید دوسرے لوگوں کی ضرورت نہ پڑے۔موجودہ افراد اس عمل کی ادائیگی کے لیے کافی ہوں، جیسے نماز جنازہ، اگر میت کی تجہیز وتکفین کے لیے ایک یا دو آدمی ہیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۳۳ پر)

۳۔دعوت وتبلیغ کی دو اہم شرائط

دعوت کی دو بنیادی شرائط ہیں جن پر دعوت کی بنیاد ہے اور جس کے بغیر دعوت کا فریضہ انجام پذیر نہیں ہوسکتا۔

(۱) پہلی شرط ہے اخلاص:

اخلاص جتنا زیادہ ہوگا دعوت بھی اسی قدر با اثر ہوگی۔ اخلاص گویا دعوت کے لیے پونجی ہے۔تجارت میں جتنا زیادہ مال واسباب لگایا جاتا ہے منافع بھی اسی قدر زیادہ ہوتا ہے اور جتنا کم مال ہوگا نفع بھی اسی حساب سے کم حاصل ہوگا۔یعنی دعوت کے لئے اخلاص سرمایا پونجی کی طرح ہے۔اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی طرح کا دینوی مفاد مقصود نہ ہو جیسا کہ انبیاء کرام نے اپنی اپنی امتوں سے کہا:

لا اسئلکم علیه اجرااان اجری الا علی رب العلمین: ''یعنی میں تم لوگوں سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا ہوں۔میرا اجر تو اللہ کے ذمے ہے۔''

یہی حالت ہر داعی کی ہونی چاہئے۔کسی دینوی مفاد کے حصول کے لیے دعوت دین کو مہرانہ بنائے۔اس لیے کہ یہ سنت انبیاء کے خلاف ہے۔اس سے نہ ہی دعوت میں اثر پیدا ہوگا اور نہ دینوی اغراض حاصل ہونگے۔ بلکہ الٹا دعوت کا محبوب ترین مقصد مجروح ہوگا۔جس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلیں گی اور مسائل و مشکلات کا سامنا ہوگا۔

(۲) دوسری شرط ''تڑپ'' ہے:

دعوت کا عمل کوئی مشینی چیز نہیں ہے۔ایسا نہیں کہ جذبہ اور حوصلہ کی بنیاد پر دھوم دھام مچادیں اور پھر بعد میں سرد پڑ جائیں اور بیٹھ جائیں۔دعوت کا کام دماغ سے مشینی انداز میں نہ ہو بلکہ دل سے جذبہ اور تڑپ کے ساتھ ہو۔تڑپ پیدا کرنے سے بڑے سے بڑے مسائل حل ہوجاتے ہیں۔ تڑپ کوئی ایسی خارجی چیز نہیں کہ جسے گھول کر پلادیا جاتا ہے۔جیسے ایک ماں اپنے زندہ بچے کو آگ میں جلتا ہوا دیکھ کر کیا کہہ سکتی ہے کہ اچھا ہے تو جلتا رہے؟ بالکل نہیں۔ایک ماں جو اپنے سینے میں دل رکھتی ہے اور جس کا دل ممتا کے جذبہ سے سرشار ہو کبھی اس منظر کو برداشت نہیں کرسکتی۔

کسی گھر میں اگر کچھ لوگ ہوں اور چاروں جانب سے آگ اسے اپنے لپیٹ میں لے رہی ہو تو کیا اس وقت ہم اور آپ کھڑے ہوکر تماشائی بن کر یہ سوچتے بیٹھیں گے کہ یہ گھر ہندو کا ہے یا مسلمان کا؟ اس وقت یہ سوچ بالکل نہیں ہوگی بلکہ پہلی سوچ یہ ہوگی کہ کسی طرح آگ بجھائی جائے اور اس میں پھنسے لوگوں کو کسی طرح نکالا جائے۔ جب تک یہ تڑپ ہے انسانیت کا ثبوت برقرار ہے۔لیکن جب یہ تڑپ مفقود ہو جائے تو اس میں انسانیت نہیں بلکہ وہ حیوان ہے۔اسی طرح

ایک آدمی اپنے مسائل سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کے لیے ٹرین کی پٹری پر لیٹ جائے اور آپ اس جگہ موجود ہوں تو کیا آپ اپنی نظروں سے خودکشی کرتا ہوا اور کٹا ہوا دیکھنا پسند کریں گے؟ بالکل نہیں۔ ہرگز نہیں۔ جو بھی اپنے سینے میں دل رکھتا ہے اور انسانیت کا درد رکھتا ہے یقیناً وہ بے قرار ہو جائے گا اور اقدام خودکشی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہے یہ کبھی نہیں برداشت کر سکتا۔ اگر خودکشی کرنے والا کہتا ہے کہ میں اپنی زندگی کے مسائل و مشکلات سے دوچار ہوں، یہ میرا جسم ہے مجھے اختیار ہے چاہے کٹ جاؤں یا مر جاؤں تمہیں کیا اختیار ہے کہ تم مجھے اس اقدام سے روکو؟ تو کیا اس کے کہنے کے مطابق ہم اور آپ رک جائیں گے؟ جو بھی انسانیت کا درد رکھتا ہے وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ سمجھانے کی کوشش کرے گا۔ اگر یہ حربہ کارگر نہ ہو تو کوشش کرے گا کہ زبردستی پکڑ کر کھینچ کر لایا جائے تاکہ اس کی جان بچ جائے۔ کم از کم اتنی دیر تو باہر رکھا ہی جائے جتنی دیر میں ٹرین گزرے گی۔ اس دوران چاہے وہ کتنی ہی گالیاں کیوں نہ دے یا کتنی ہی چوٹ کیوں نہ پہنچائے ان تمام سے صرف نظر کرتے ہوئے آپ کی پہلی فکر یہ ہوگی کہ اس کی جان کسی طرح بچالی جائے۔ غور فرمائیے کے دنیا کی مختصر سی آگ میں بچہ جلنے سے ماں کی ممتا جوش مارتی ہے، بیقرار ہو جاتی ہے اور اسی آگ کو بجھانے کے لیے آپ کے دل تڑپ جاتے ہیں اور ٹرین کا حادثہ جو کہ معمولی حادثہ ہوتا ہے اس سے بچانے کے لیے آپ اپنی تمام تر کوششوں اور طاقتوں کا استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ حادثے اور آگ جس کی مدت بہت مختصر ہے اس سے بچانے کے لیے آپ تڑپ جاتے ہیں جب کہ دوسری طرف ایک دو افراد نہیں کوئی ایک خاندان یا کنبہ نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں افراد کی تعداد ایسی ہے جو دائمی حادثے کے شکار ہو کر ہمیشگی کی آگ میں جلنے والی ہے۔ انہیں بغیر تڑپ کے کیسے بچایا جا سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری مثال ایسی ہے کہ بڑی تعداد میں لوگ جہنم کے کنارہ پر ہیں اور عنقریب اس میں گرنے والے ہیں اور میں ان تمام کی کمر پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کی تڑپ کو دیکھ کر مالک ارض وسماء کو کہنا پڑا: ''یعنی اگر وہ لوگ اس مضمون قرآنی پر ایمان لائیں گے تو شاید غم کے مارے آپ اپنی جان دیدیں گے''۔

غرض یہ کہ انسانیت کو بڑے حادثے سے بچانے کے لیے تڑپ ضروری ہے بغیر تڑپ کے دعوت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ تڑپ دعوت کے لیے بنیادی شرط ہے۔

☆☆☆☆☆

۴۔اسلام اور ہندوستان

ہندو قوم کے تعلق سے مسلمانوں میں عموماً یہ غلط فہمیاں ہیں کہ قرآن وحدیث میں اس قوم کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے، جب کہ قرآن وحدیث میں نہ صرف یہ کہ اس قوم کا ذکر موجود ہے بلکہ اس کے قبول اسلام کی واضح پیشین گوئی کے ساتھ قوت ایمان میں بے مثال حیثیت سے اس کا ذکر موجود ہے۔حضور اکرم ﷺ نے بار بار اس قوم کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جسے تاریخ اسلام نے اس طور پر محفوظ کر رکھا ہے کہ رسول ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کی قوم (جو ایران وفارس میں آباد تھی) اور یمن کی قوم کے ایمان میں مضبوط ترین قوم کی حیثیت سے پیشین گوئی کی ہے، جو لوگ ہندوستان کی تاریخ سے واقف ہیں وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ یہاں آکر بسنے والی دو قومیں ہیں (۱) آرین جو ایران میں آباد تھی (۲) دراوڑ جو یمن میں آباد تھی، یہاں پہنچ کر دونوں نے آپس میں مل کر ایک مذہب ''ہندو'' نام سے ایجاد کیا۔سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ نے لفظ ہندو سے تو نہیں بتایا، مگر اس کے احوال وکوائف اور اوصاف کا ذکر فرما دیا، جیسا کہ ارشاد ہے: **عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ای الخلق اعجب الیکم ایمانا قالوا الملائکه، قال: ومالهم عند ربهم قالوا فالنبیون قال ومالهم لایوء منون والوحی ینزل علیهم قالو افنحن قال ومالکم لاتوء منون وانابین اظهر کم قال فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اعجب الخلق الی ایمانا قوم یکرنون من بعدی یجدون صحفا فیها کِتاب یوء منون بما فیها (مشکوٰه المصباح: صفحه: ۵۸۳)** حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علے وسلم نے (ایک دن صحابہ سے) پوچھا ایمان کے لحاظ سے کون سی مخلوق تمہارے نزدیک سب سے عجیب اور عزیمت والی ہے تو صحابہ کرامؓ نے فرمایا ہم ہیں۔اس جواب کو سن کر آپؐ نے فرمایا تم ایمان کیوں نہیں لاتے جب کہ میں تمہارے درمیان میں موجود ہوں، راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمام مخلوقات میں ایمان کے اعتبار سے قوی اور عجیب ترین حقیقتاً ایک قوم ہوگی جو میرے بعد ہوگی اور وہ اپنے پاس کچھ صحیفے پائیں گے، ان صحائف میں کتاب ہے جو کچھ ان صحائف میں ہے اس پر وہ ایمان لائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے جس قوم کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے شاید یہی ہندو قوم ہے جن کی مذہبی کتابیں ہیں، ان

میں قرآن اور اسلام کے بے شمار مضامین موجود ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے کہ یہ پوری کی پوری قوم اسلام قبول کرے گی اور یقیناً قبول کریگی، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا ہے ''جو کچھ ان کے پاس ہے وہ اس پر ایمان لائیں گے'' اور نبی کی زبان سے نکلی ہوئی بات پتھر کی لکیر سے بڑھ کر ٹھوس اور مضبوط ہوتی ہے۔ اس میں اب کچھ شک کرنا اپنے ایمان کے کمزور ہونے کی دلیل ہوگی۔ اس حدیث کو پڑھنے کے بعد ہر مسلمان کو یقین ہونا چاہیے کہ جب آقاؐ نے فرمادیا تو یقیناً وہ سب ایمان قبول کریں گے۔

وراء یت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا (نصر:۲) اور یقیناً آپ دیکھیں گے لوگوں کو کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوں گے۔

ایک ہے تبدیلی افراد جو ہر زمانے میں ہوتی رہی ہے اور دوسری ہے تبدیلی قوم جو تاریخ میں کبھی کبھی ہوتی ہے۔ جیسے دور رسالت اور دور صحابہ میں اور پھر تاتاریوں کے زمانے میں کہ ایک دن قبل پوری قوم اسلام اور مسلمانوں کی دشمن تھی اور اگلے ہی دن پوری قوم آغوش اسلام میں آکر مسلمان ہوگئی۔ یہی صورت انشاء اللہ ہندوستان میں بھی ہوگی، مگر شرط یہ ہے کہ مسلمان اپنے اس اہم ترین فریضے کی انجام دہی میں آگے آئیں۔ دور حاضر میں جو بھی اس پہلو سے میدان عمل میں آگے بڑھے گا اس ایک کے حق میں یقیناً سیکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد آئیں گے۔ لیکن اگر مسلمان اللہ کی اس راہ میں نہیں نکلیں گے اور وہ اس کام کو نہیں کریں گے، تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا محتاج بھی نہیں۔ وہ کسی دوسری قوم کو ہدایت سے نوازے گا اور پھر اس کے ذریعہ اپنے دین کا کام لے لے گا، اور پھر مسلمانوں کے جیسے نہیں ہوں گے، ہاں البتہ مسلمانوں پر دردناک عذاب نازل کرکے رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الاتنفرو ایعذ بکم عزاباالیما ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئا (توبہ: ۳۹)

یعنی اگر تم نہ نکلو گے تو وہ (اللہ) تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کردیگا اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو پیدا کرے گا اور ان سے اپنا کام لے لے گا اور تم اللہ کے دین کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وان تتولو یستبدل قوما غیر کم ثم لایکونواامثالکم (محمد: ۸۳)

یعنی اگر تم (اللہ کے دین میں تعاون کرنے اور پیغام پہنچانے سے) روگردانی کروگے تو اللہ پاک تمہاری جگہ ایک دوسری قوم پیدا کردے گا، پھر وہ تم جیسے (نکمے) نہیں ہونگے۔

اللہ پاک اپنے دین کی دعوت وتبلیغ کے لیے کسی مسلمان کا محتاج نہیں ہے، لیکن یہ بات طے ہے کہ مسلمان اس کی تبلیغ واشاعت کا مکلّف ہے۔ اس کے باوجود مسلمان اگر اس اہم ترین فریضے سے بے اعتنائی برتتے ہیں تو وہ

خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور نزول عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔ رہی بات دعوت وتبلیغ کی تو اللہ خود ہی اپنے بندوں کو ہدایت سے نوازے گا اور اس سے اپنے دین حق کا کام لے لے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فسوف یائتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المئومنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم** ﴿المائدہ : ۵۴﴾ یعنی اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو برپا کرے گا کہ اللہ کو اس قوم سے محبت ہوگی اور اس قوم کو اللہ سے محبت ہوگی، جو مسلمانوں کے حق میں مہربان ہوگی اور کافروں کے حق میں تیز ہوگی، مستقل اللہ کے راستے میں لگی ہوئی ہوگی اور وہ لوگ کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔

دعوت کے اس اہم ترین فریضہ سے مسلمانوں کی عظیم اکثریت فی الوقت غافل ہے اور جو خوش نصیب دعاۃ اللہ پاک کے اس محبوب ترین کام میں لگے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے ضلالت وگمراہی میں پھنسے اپنے بندوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا کر زریں موقع عنایت فرمایا ہے۔ آیات مذکورہ کی عملی تفسیر کا مشاہدہ خدا کے ان محبوب ترین بندوں کو دیکھ کر ہوتا ہے، جو ہدایت یاب ہوکر مستقل دین حق کی ترویج و اشاعت میں لگے ہیں۔ جس لگن اور حوصلہ سے وہ اس فریضہ کو انجام دیتے ہیں شاید ہی کسی مسلم گھرانہ میں پیدا شدہ مسلمان میں وہ حوصلہ اور جذبہ ہو، ہندوستان کی ہندو قوم میں اس طرح کی کئی مثالیں موجود ہیں، جس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آیات مذکورہ ایسے ہی لوگوں کے لئے نازل ہوئی ہے۔

دعوت وتبلیغ میں مدعو اقوام کی مذہبی کتابوں کی اہمیت:

دعوتی نقطہ نظر سے مخاطب کی نفسیات کا لحاظ ضروری ہے اور ان کی نفسیات یہ ہے کہ جس کتاب سے وہ جڑے ہوئے ہیں، جس پر ان کا ایمان ہے ان کے نزدیک وہی کتاب مقدس ہے، اس لیے اس کتاب کا وہ حصہ جس میں قرآن کریم کے مضامین موجود ہیں اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ قرآن کریم کی روح اور اس کے مضامین کا ذکر ان کی زبان میں ہوگا جو ان کی تسکین واطمینان کو مزید پختہ کرے گا اور پھر کسی طرح کی بدمزگی بھی پیدا نہیں ہوگی اور اس طرح کے طریقہ کے استعمال سے قرآن وحدیث منع بھی نہیں کرتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ تورات کا کچھ حصہ لے کر آئے اور آپ ﷺ کے پاس پڑھنے لگے، حضور اکرم ﷺ کا چہرہ انور غصہ سے متغیر ہو رہا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے یہ ماجرا دیکھ کر کہا اے عمر: کیا تم حضور ﷺ کی طرف نہیں دیکھتے؟ حضرت عمر نے جب آپ ﷺ کے چہرے کو دیکھا تو کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے غصے سے پناہ چاہتا ہوں اور دین اسلام سے راضی ہوں، اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لو کان موسیٰ حیا التبعنی" موسیٰ بھی زندہ

ہوتے تو وہ میری اتباع کرتے ۔ اس حدیث کے ذریعہ عموماً سوال کیا جاتا ہے کہ غیر مسلم کی مذہبی کتابوں کا استعمال نہیں کیا جاسکتا، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے پس منظر کو اچھی طرح سمجھا جائے۔ حدیث نبوی ﷺ اور سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے، حضور پاک ﷺ کے اور آپ کے چند اصحابؓ کے مدینہ طیبہ ہجرت کر لینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے وہاں کے یہودیوں سے چند امور پر معاہدہ کر لیا تھا ، ان دنوں صحابہ کرام ان یہودیوں سے گھل مل کر رہتے تھے، حضرت عمرؓ کبھی کبھی یہودیوں کے مدرسہ ''بیت المدارس'' میں بھی جایا کرتے تھے۔ شاید وہیں سے تورات کا کوئی نسخہ لے کر آئے اور آپ ﷺ کے سامنے پڑھنے لگے۔ اس وقت شریعت کا نزول ہورہا تھا، سارے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات تھی کہ یہ شریعت سابقہ تمام شریعتوں لیے ناسخ ہورہی ہے اور یہ شریعت مکمل ہونے جارہی ہے، حضرت عمرؓ جو مضمون پڑھ رہے تھے، وہ شریعت سے متعلق تھا، ایمانیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو شریعت کے معاملے میں میری ہی اتباع کرتے، شریعت کے معاملے میں اس لیے کہ شریعتیں بدلتی رہی ہیں، مگر ایمانیات سارے نبیوں کے ایک ہی رہے ہیں اور متعین رہے ہیں، حضرت عمرؓ شرعی امور سے متعلق مضمون پڑھ رہے تھے، اسی لیے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر غصہ کے آثار نمایاں ہوئے اور وہ زمانہ بھی ابتدائے اسلام کا تھا؛ اس لیے آپ ﷺ نے منع فرمایا، ہاں البتہ تکمیل اسلام کے قریب مدعو کی مذہبی کتاب کے استعمال کی اجازت دے دی گئی تھی، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **حدیثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج** ﴿**بخاری، کتاب العلم**﴾ یعنی بنی اسرائیل سے (منقول روایات) بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: **قل یااھل الکتاب تعالو االی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لانعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولو اشھدو ابانا مسلمون** ﴿**اٰل عمران: ۶۴**﴾ کہو اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں گے اور نہ ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب بنائیں، اگر وہ اس سے روگردانی کریں تو کہہ دو گواہ رہو ہم تو مسلم (فرمانبردار) ہیں۔

دور رسالت کی بات ہے کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو ٹھکرایا اور ماننے سے انکار کیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمایا اور دعوت دینے کا ایک طریقہ بتایا کہ جو مشترک بنیادیں ہیں آؤ پہلے ہم سب اس پر جم جائیں، قرآن کریم کی اس آیت نے واضح کردیا کہ توحید ان اہل کتاب کے پاس ہے اب اگر ہم ثابت نہ

کرسکیں تو یہ ہماری کمی ہوگی، ہم ثابت کریں کہ آپ کی کتابوں میں توحید کا پیغام فلاں فلاں مقام پر ہے، یہ اسی وقت ہوگا جب ہم ان کی کتابوں کا دعوتی نقطہ نظر سے استعمال کریں۔

سورہ مائدہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورہ ہے، اس میں اللہ پاک اہل کتاب سے یوں مخاطب ہوتا ہے: **قل لستم علی شئً حتی تقیموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم (المائدہ: ۶۸)** کہواے اہل کتاب تم کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تورات اور انجیل اور اس (کتاب) کو قائم نہ کرلو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بھیجی گئی ہے۔

دور رسالت کی بات ہے جب قرآن نازل ہورہا تھا اس وقت اہل کتاب سے ان کی کتابوں کے قائم کرنے کی بات کہی گئی، یہ نہیں کہا گیا کہ جب تک قرآن کریم نہ قائم کرلو اس وقت تک تم کسی حق بنیاد پر نہیں رہ سکتے، اس طرح جو کچھ بھی کہا گیا اس لیے کہ پیغام قرآن ان کے پاس موجود تھا تبھی تو اس کے قائم کرنے کی بات کہی گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **اولم تاتیھم بینۃ مافی الصحف الاولیٰ** (طہ:۱۳۳) کیا ان کے پاس کھلی دلیل نہیں آئی جو اگلی کتابوں میں موجود ہے، مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ **"الصحف الاولی"** سے مراد تورات، انجیل، زبور اور دیگر تمام سماوی کتابیں۔ جو عقائد صحیحہ اور احکام شرعیہ پر مشتمل ہیں۔ (قرطبی جلد ۱۱ ۱۷۵)۔

نیز یہود پر رجم کا واقعہ جو احادیث میں مذکور ہے کہ نفاذ حکم رجم کے لیے آپ ﷺ نے تورات سے استدلال کرتے ہوئے ان پر رجم کا حکم فرمایا (بخاری، حدیث: ۳۴۳۶، **باب قول اللہ تعالیٰ: یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم**، جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۰، طبع دار ابن کثیر بیروت، تکملہ فتح الملہم جلد ۲) اس طرح اتمام حجت کے لیے تورات سے استدلال کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، جسے مدعو بھی بہ آسانی قبول کرلیتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **الذین آتینٰھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولئک یوء منون بہ (البقرہ: ۱۲۱)** جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ کما حقہ اس کتاب کی تلاوت کرتے تو اس (قرآن) پر ضرور ایمان لاتے۔

اس لیے دعوت اسلام پیش کرتے ہوئے اتمام حجت کے لیے اور مدعو کو دین اسلام کی طرف مائل کرنے اور اسلام کے عقائد کے بارے میں اطمینان دلانے کے لیے مذکورہ بالا اسلوب اگر اختیار کیا جائے تو بہتر ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

☆☆☆☆☆

دعوتی کتابیں:
دعوت وتبلیغ سے جڑی ہماری بہت سی کتابیں آپ ہمارے مندرجہ ذیل ویب سائٹ سے مفت ڈاؤن لوڈ کرسکتے ہیں۔
www.freeeducation.co.in
www.qskhan.com

۵۔ دعوت وتبلیغ کی تیاری

• منصوبہ بندی

کسی بھی کام میں کامیابی کے لیے منصوبہ بندی ضروری ہوتی ہے، ہم اپنے سماجی، معاشرتی لحاظ سے نئے نئے منصوبے بناتے ہیں۔ اگر رہنے کو گھر نہیں ہے تو پہلے سے مکان کی تعمیر کا منصوبہ بناتے ہیں، ایک یا ایک سے زائد لڑکیاں ہیں تو بچپن ہی سے ان کی شادی کے منصوبے ہم اور آپ بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ اپنے فائدے کے حصول کے لیے طرح طرح کے منصوبے اور پلاننگ کرتے ہیں تب کسی حد تک کامیابی ملتی ہے۔ مگر جب دعوت ایمان و اسلام کی بات آتی ہے تو ہمارے ذہن میں کوئی منصوبہ نہیں آتا۔ مسلمان اگر دعوت کے لیے منصوبہ تیار کرے تو یقیناً کامیابی قدم چومے گی۔ بغیر منصوبہ کے کام کرنے سے معلوم نہیں ہوتا کہ ہم کس رخ پر جا رہے ہیں، اس لیے منصوبہ بندی ضروری ہے جسے تیار کر کے دعوت کا کام کیا جائے۔

• دعوت کی تیاری اپنی اصلاح سے شروع کریں

دعوت کی تیاری کے سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ سے رشتہ مضبوط ہو، اللہ کی حمد و ثناء اور اس کا ذکر زبان زد ہو، اللہ سے دعاء کا اہتمام ہو اور پھر اسلام کے بنیادی عقائد کی اچھی طرح معلومات ہو۔ اسلام کے خلاف کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات ذہن نشین رہیں تاکہ انہیں اطمینان دلایا جاسکے۔ بعض دفعہ ہر وقت جواب نہ دینے سے الٹا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے تیاری ضروری ہے۔ اگر تیاری نہ ہو اور کوئی مشکل پیش آجائے تو انہیں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہم معلوم کر کے بتائیں گے۔ الٹی سیدھی بات کرنے سے گریز کرنا بہتر ہوگا۔

• دھرم پریورتن کے بدلے اصلاح مذہب کی دعوت دیں:

ہندوستانی پس منظر کا بہت حساس عنوان ہے کہ ''کچھ لوگ مذہب تبدیل کرانے کی کوشش کرتے ہیں؛ اس لیے اس پر روک لگائی جائے''۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ دھرم پریورتن سے غصہ آتا ہے۔ دعوتی نقطہ نظر سے یہ عنوان بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس لیے کہ میدان دعوت میں کبھی ایسا بھی ہوگا کہ اس مسئلہ کو چھیڑ کے دعوتی مہم کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ یہ نوبت آنے سے پہلے ہی اس کی تحقیق کر لی جائے۔ اس لئے اس بارے میں زیادہ معلومات کے لئے اب ہم آپ سے ہندوستانی دھرم کی بات کرتے ہیں۔ یعنی اس مذہب کی بات کرتے ہیں جو ہندوستان سے شروع ہوا تھا اور ہندوستان سے شروع ہونے والا

پہلا دھرم اسلام ہے، جس کی بنیاد سب سے پہلے انسان حضرت آدمؑ ہی سے پڑ چکی ہے۔ان کو جو دھرم دیا گیا تھا چاہے اس وقت اس کا نام کچھ اور رہا ہو مگر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت یا اس کے بعد کی زبان سنسکرت میں اس کا نام ''سناتن دھرم'' رکھا گیا ہو اور اسی کا نام عربی زبان میں ''دین قیم'' یعنی سیدھا اور پرانا دین رکھا گیا ہے۔ہم تو اسی دھرم کی بات کرتے ہیں اور ہم چاہتے بھی ہیں خدا کے سارے بندے مخلوقات کی غلامی سے نکل کر ایک خدا کی غلامی اور اس کا نازل کردہ دھرم جس کی ابتدا ہندوستان سے ہوئی اور جس کی تکمیل عرب میں ہوئی اس سچے دھرم کو ماننے والے بن جائیں۔اسے ماننا کسی نئے اور ودیشی دھرم کو ماننا نہیں ہے؛ بلکہ اپنے ہی اصل کی طرف آنا اور اس کو ماننا ہے، جیسا کہ مذہبی کتابوں میں موجود ہے۔قرآن کا ارشاد ہے:

وان هذه امتكم امة واحده وانا ربكم فاتقون فتقطعوا امرهم بينهم زبرا كل حزب بما لديهم فرحون (المؤمنون:۵۳: ۵۲)

یقیناً تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے۔اور میں ہی تم سب کا رب ہوں۔پس تم مجھ سے ڈرتے رہو۔پھر انھوں نے خود (ہی) اپنے امر (دین) کے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرے۔ ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسی پر اترا رہا ہے۔

من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا كل حزب بما لديهم فرحون (الروم:۳۲)

ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گمرہ ہوگئے ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔

قرآن کریم کی مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری انسانیت دراصل ایک ہی امت تھی سب کا دھرم اور مذہب بھی ایک ہی تھا، مگر کچھ لوگوں نے امر محکم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اب صورت حال یہ ہے کہ ہر گروہ اپنے پاس کی چیزوں پر خوش اور مگن ہے۔ہم جس دین کی دعوت دے رہے ہیں وہ اس پرانے دین جو خدا نے سب سے پہلے انسان حضرت آدمؑ کو دیا تھا، سے مختلف اور نیا نہیں ہے، بلکہ اسی دین کی طرف آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ جو پوری انسانیت کا حقیقی دین ہے۔ اس دین کو اختیار کرنا تبدیلی مذہب نہیں بلکہ اپنے کھوئے اور بھلائے ہوئے دین کی طرف واپس ہونا ہے، جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وجعلها كلمة باقية فى عتبه لعلهم يرجعون (الزخرف:۲۸) حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پیچھے ایک کلمہ کو باقی رکھا تا کہ وہ اس کی طرف لوٹیں'' آیت مذکورہ میں لفظ ''یرجعون'' کا استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے پہلی حالت پر لوٹنا یعنی درمیان میں کسی وجہ سے اس حالت سے ہٹ کر دوسری حالت پر آ گئے تھے، پھر اس کو ترک کر کے اپنی پہلی حالت پر لوٹ گئے۔اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب ایک مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے تو اس سے جدائی ہو جاتی ہے، مگر پھر سے جب

پہلی حالت پر آنا ہوتو کہا جاتا ہے کہ اس نے رجعت کرلی۔ یعنی طلاق دینے سے دوری ہوگئی تھی وہ دوری اب ختم ہوگئی ہے اور پھر سے میاں بیوی کے تعلقات استوار ہوگئے ہیں۔ بالکل اسی طرح کی بات اس مذہب کے معاملے میں بھی ہے یعنی ہندوستان کے لوگ کسی وجہ سے اپنے حقیقی دین سے دور ہوگئے تھے، اسی حقیقی دین کی طرف آنے کی دعوت دی جارہی ہے اور یہ دھرم پریورتن نہیں بلکہ اصلاح مذہب ہے۔

• نیک کاموں میں مدعو کی مدد کریں:

مدعو اقوام کے بھی بہت سے مسائل ہوتے ہیں۔ بہ حیثیت داعی ان کے مسائل میں ضرور دلچسپی لینی چاہیے۔اصول یہ ہے:

تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (المائدہ:۲) نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو۔

اس اصول کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان کے مسائل میں ہمیں شامل ہونا چاہیے۔درحقیقت ہندوستان میں جتنے بھلائی اور رفاہی کام ہندو بھائی کرتے ہیں مسلمان نہیں کرتے، ظلم کے خاتمے اور برائی کے انسداد کے لیے وہ جو منصوبہ بناتے ہیں، بہ حیثیت داعی اس میں ضرور حصہ لینا چاہیے۔اس سے دعوت کی اگلی راہیں ہموار ہوں گی۔ اسی طرح اپنے مسائل میں بھی غیر مسلموں کو شامل رکھا جائے۔اس طرح ایک دوسرے کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش میں شمولیت سے ان کے دلوں میں محبت و ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوگا اور پھر دعوت کے لیے سارے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ہاں کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ براہ راست انہی سے معاملہ الجھ جائے اور مسائل پیدا ہوں تو سنجیدگی سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جو کچھ ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے، وہ تو غلط ہے، اصل میں یہ ہونا چاہیے۔ بہرحال ایک دوسرے کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش اور اس میں شمولیت آپس کے دوری کو دور کردیتی ہے دعوت کے صدیوں سے بند دروازے کو کھول دیتی ہے اور پھر وہی معاون و مددگار بھی ثابت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ گجرات کے فسادات کے وقت ہوا۔ فساد کے وقت بڑی تعداد میں غیر مسلموں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا، جگہ بہ جگہ رفاہی اور بچاؤ کے کام کیے ہیں کہ جتنا مسلمانوں نے بھی نہیں کیا ہے۔تو اپنے مسائل میں ان کی شمولیت دعوت کے لیے نفع بخش ہوسکتی ہے۔اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

• مقصد متعین اور طریقہ کار غیر معین:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنه وجادلهم بالتی هی احسن** (النحل:۱۲۵) تم اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور نصیحت آمیز باتوں کے ذریعہ بلاؤ اور ان سے جدال احسن کرو۔

اس آیت میں دعوت کے تین پہلو بیان کیے گئے ہیں کہ اس انداز سے سے دعوت دی جائے۔ اللہ پاک کا احسان ہے کہ اس نے دعوت کا مقصد متعین کر دیا، مگر دعوت کا طریقہ کار متعین نہیں فرمایا۔ اگر طریقہ کار بھی متعین ہوتا تو یقیناً یہ دین بہت دشوار ہو جاتا۔ مگر پھر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ یہ مشکل ترین دین ہوجائے، جبکہ اس دین کے دعوتی فریضہ کو قیامت تک کی انسانیت کے لیے برقرار رکھا گیا ہے، کیونکہ سارے عالم کا نجات دہندہ دین یہی دین اسلام ہے۔ جب یہ دین ساری انسانیت کے لیے ہے تو یقیناً الگ الگ علاقوں کے انسان کے افکار و عقائد اور نظریات ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے، ان کے حسب حال طریقہ کار اور حکمتیں بھی الگ الگ ہوں گی۔ واضح رہے کہ اصول یہ نہیں کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے جو کچھ کیا اس کے علاوہ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اصول یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جن چیزوں سے روک دیا اس سے رک جائے۔ اگر ایسا ہوتا کہ رسول ﷺ اور صحابہؓ نے جو کچھ کیا وہی کیا جائے اس کے علاوہ نہ کیا جائے تو یقیناً یہ دین اور دینی علوم محدود ہو کر رہ جاتے۔ اس لیے ہر مسلمان اور ہر داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ خیال رکھیں کہ مدعو کے لیے کون سی حکمت اور مصلحت کب اور کس وقت کارآمد ہوگی۔ جس لحاظ کا مدعو ہوگا حکمتیں بھی تبدیل ہوتی رہیں گی۔ قرآن کریم نے جن چیزوں کو جس طرح پیش کیا ہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہی اسلوب اور وہی ترتیب پیش کی جائے۔ مثال کے طور پر مکہ والوں کے انکار اور ہندوستانیوں کے انکار اور عقائد میں بہت فرق ہے۔ وہاں (مکہ) کے لوگ وجود ذات باری تعالیٰ کے منکرین تھے، دوبارہ زندہ کیے جانے کے تصور کو جھٹلاتے تھے، اس لیے ان ملحدین کے سامنے وجود ذات باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت اور دوبارہ زندہ کیے جانے کو خوب واضح کیا گیا۔ مگر ہندو بھائی چاہے عملاً توحید پر قائم نہ ہوں، لیکن وجود ذات باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کو مانتے ہیں۔ دوبارہ زندہ کیے جانے کا تصور بھی ہے۔ گرچہ اس کی تشریح و توضیح کو بگاڑ کر بار بار پیدا کیے جانے کا تصور رائج ہو گیا۔ اس لئے یہاں کے ماحول میں جہاں ہندو بھائیوں سے جو چوک ہوئی ہے اس پر زور دینے کی کوشش کی جائے گی جیسے بت پرستی سے باز رہنے پر زور دیا جائے گا۔ غرض یہ کہ جہاں ان سے خطا ہوئی ہے اس پر زیادہ زور دیکر اس کی درستگی کی کوشش کی جائے گی اس طرح لوگوں کے مختلف المزاج والعقائد کی وجہ سے حکمتیں بھی بدلتی رہیں گی۔ اگر ایک ہی طریقہ کو لازم کرلیا جائے تو بہت سے مواقع پر مخاطب سے بات کرنا مشکل ہوگا اس لیے ان اہم اور مفید چیزوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اور دعوت و تبلیغ کے کام میں ان کو یاد رکھنا چاہئیے۔

☆☆☆☆☆

۶۔ دعوت وتبلیغ کا کام کیسے کریں۔

• مشترک بنیادوں سے دعوت کا آغاز

اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین دین ''دین اسلام'' ہے جو ایک فطری دین ہے۔ ہر ایک کے دل کی آواز اور پکار بھی یہی ہے۔ مگر صحیح رہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے اللہ کے بے شمار بندے اس سے دور ہیں۔ انہیں اس دین فطرت کی دعوت دینے میں عموماً ہم جھجھک محسوس کرتے ہیں اور یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ کہیں فساد نہ ہو جائے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بے ترتیبی اور بدنظمی سے بے شمار مسائل پیدا ہوتے ہیں، اس لیے دعوت کے آغاز کرنے میں ہمیں وہ نکات ضرور ذہن میں رکھنا چاہیے جو مسلم اور غیر مسلم برادران کے درمیان مشترک ہوں، مشترکہ بنیادوں سے دعوت کے عمل کو شروع کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں ہماری باتیں بآسانی بیٹھ سکیں گی اور اس پر اعتماد بھی پیدا ہوگا۔ دور رسالت میں جن کو اہل کتاب کہا گیا وہ یہود و نصاریٰ ہیں، دونوں حضور ﷺ کی رسالت اور قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتے تھے، اس کے باوجود قرآن نے کہا:

یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لانعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ﴿آل عمران: ۶۴﴾ ''اے اہل کتاب، آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کو معبود نہیں بنائیں گے اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں گے''۔ باوجودیکہ وہ لوگ حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے منکر تھے اللہ نے کہا جو مشترکہ بنیاد ہے اس پر مل بیٹھو اور اللہ کی توحید مسلمان اور اہل کتاب کے درمیان برابر ہے۔ اس سے ایک اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اختلافی چیزوں سے احتراز کرتے ہوئے مشترک بنیادوں سے دعوت کا آغاز کیا جائے۔ یہ اصول ہر معاملہ اور ہر میدان میں کارفرما ہوگا، کیونکہ اس سے کسی طرح کی بدمزگی اور بگاڑ پیدا نہیں ہوتا۔ اس مشترک بنیاد میں تین چیزیں اور آتی ہیں (۱) تہذیب (۲) زبان (۳) وطن۔ تہذیب اور وطن کبھی کبھی کام میں آئے گی؛ البتہ زبان کا استعمال ہر وقت ہر جگہ ضروری ہوگا۔ یہ تینوں قربت کے ایسے فائدہ مند ذرائع ہیں، کہ جس کا اندازہ اس وقت ہوگا جب آپ کسی دوسرے خطۂ یورپ یا عرب ملکوں میں ہوں اور ایک آدمی دھوتی پہن کر فون پر ہندی زبان میں باتیں کر رہا ہے، اس وقت آپ کے قدم یقیناً رک جائیں گے کہ اس سے مل کر کچھ باتیں کر لی جائیں، ایسا لگتا ہے کہ یہ ہندوستان کا ہے۔ یقیناً اس وقت گفتگو کئے بنا آپ آگے نہیں بڑھیں گے۔ کیوں؟ ..... اس لیے کہ وہ آپ کا

ہم وطن، ہم زبان ہے اور یہ سب کرنے کے اسباب ہیں۔

- **دعوتی کام میں تدریج**

جس دین کی دعوت امت مسلمہ پر فرض ہوئی ہے وہ دین فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ''تدریج'' رکھا ہے اور اس دین کی تکمیل بھی اسی طور پر کی ہے۔ قرآن کریم ۲۳ سالہ عرصہ میں مکمل ہوا۔ اگر اللہ پاک چاہتا تو بیک وقت بھی نازل کر دیتا، مگر اللہ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ آہستہ آہستہ ،قدرے قدرے اس کی تکمیل فرمائی۔ اس لئے کہ خالق کائنات اس بات سے واقف تھا کہ جس کی ہدایت کے لیے یہ کلام پاک نازل کیا جارہا ہے، اس کی فطرت میں تدریج ہے۔ لہٰذا ہدایت کا سرچشمہ قرآن بھی اسی انداز میں نازل کیا جائے۔ اگر اس کے برخلاف کرتا تو یقیناً انسان کے لیے بہت دشوار ترین دین ہو جاتا جس کا قبول کرنا انسان کے لیے بڑا مشکل ہوتا اور پھر اس پر عمل کرنا بھی اس کے لیے مشکل ہی ہوتا۔ اللہ نے اس تدریجی طریقہ سے اس دین کو اپنے بندوں کی ہدایت اور اس پر عمل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے جس سے ایمان میں پختگی اور مضبوطی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وقال الذین کفروا لولأنزل علیه القرآن جملة واحدة کذالک لنثبت به فؤادک ورتلناه ترتیلا ﴿الفرقان: ۳۲﴾ اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر یہ قرآن دفعۃ واحدۃ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اس طرح (تدریجاً) اس لیے (ہم نے نازل کیا) ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے دل کو قوی رکھیں اور (اسی لیے) ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے۔

کسی بھی چیز کو دل میں اتارنے اور اچھی طرح بٹھانے کے لیے کچھ وقت درکار ہوتا ہے، یہ فطرت انسان میں رچی بسی بات ہے۔ ایک ہی دفعہ انسان کے سامنے کسی چیز کے ہر پارٹ پرزے کو کھول دیا جائے تو ذرا بھی ذہن نشیں نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ اگر آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا سکھایا جائے تو وہ چیز ذہنوں میں اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے۔ جیسے گھڑی سازی اور ڈرائیونگ وغیرہ ..... اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کیا مگر اس کی حرمت کا حکم پہلی ہی مرتبہ نازل نہیں کیا، بلکہ ایک خاص انداز میں پہلے ذہن سازی کیا، اس کے فائدے اور نقصان کو بتایا پھر حرمت کا حکم نازل فرمایا جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

حکم اول: یسئلونک عن الخمر و المیسر قل فیهما اثم کبیر و منافع اللناس و اثمهما اکبر من نفعهما ﴿البقرہ: ۲۱۹﴾

یہ لوگ آپ ﷺ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں، آپ ﷺ فرما دیجیے کہ ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کے لیے (بعض) فائدے بھی ہیں اور (وہ) گناہ کی باتیں ان کے فائدوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔ پھر اس کے کچھ دنوں بعد فرمایا۔

حکم ثانی: یاایھاالذین آمنو الاتقربواالصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلمواما تقولون (النساء: ۴۳)
اے ایمان والو!تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم کیا کہتے ہو:

حکم ثالث: یاایھاالزین آمنواانما الخمر والمیسر والا نصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ العلکم تفلحون (المائدہ: ۹۰) اے ایمان والو،شراب اور جوااور بت (وغیرہ)اور قرعہ کے تیر (یہ سب) گندے شیطانی کام ہیں،سوان سے بالکل الگ رہوتا کہ تم فلاح پاؤ۔

حرمتِ شراب کا یہ آخری حکم ہے جس میں اس سے اجتناب کی بات کہی گئی ہے۔اس سے پہلے دوحکم نازل ہوئے ان میں شراب کوحرام نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے نقصانات کو بتایا گیا۔پھرایک خاص حالت نشہ میں نماز سے روک دیا گیا۔اوقات صلوٰت میں شراب کی حرمت کے بعد ہمیشہ کے لیے شراب کا یہ حکم نازل کیا گیا۔مصلحت یہ تھی کہ لوگوں میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔تقریباً ہرایک کی غیر معمولی من پسند شئ شراب تھی۔عادت ایسی بن چکی تھی کہ آن واحد میں اس سے رک جاناایک بارگراں بن چکا تھا۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کی رعایت فرمائی اور تدریجی طور پراس کے فائدے اورنقصان کوواضح کرتے ہوئے اس کی حرمت کا حکم نازل فرمایا۔اس تدریجی طریقہ کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ آخری حکم کے نازل ہوتے ہی مدینہ کی گلیوں میں شراب کی ندیاں بہہ گئیں۔

انسانی فطرت کی یہ رعایت ہرمیدان میں کارآمد ہے۔اس لیے دعوتی نقطہ نظر سے مدعو کے سامنے''تدریجی دعوت''کواستعمال کیا جائے تا کہ ایمان مضبوط ہواورکفرو شرک اور بت پرستی کی نفرت رفتہ رفتہ ان کے دلوں میں بیٹھ جائے اور پھران کے لیے دعوت کا قبول کرنا آسان ہوسکےگا۔

معروف طریقہ کا استعمال

اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر (۱۱۰)

امر بالمعروف کی اصطلاحی معنی تو یہ ہے کہ تم معروف یعنی بھلائی کا حکم کرو، لیکن لغوی معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم معروف طریقہ سے حکم کرو، مانوس طریقہ سے دعوت دو،اس لیے مدعواقوام کی زبان اوران کے مزاج و مذاق کا اس طرح لحاظ کیا جائے کہ دعوت ان کے لیے مانوس ہو، وہ اس کواپنا دین سمجھ کرلے لیں۔وہ اصطلاحیں جن کو وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں ان کا استعمال کیا جائے مثلاً: اللہ کے لیے یہاں کے ہندو حضرات لفظ''ایشور'' کا استعمال کرتے ہیں۔نماز کے لیے''ساشٹانگ'' کا لفظ مشہور ہے۔اس لیے ان کے لحاظ سے جو اصطلاحیں بکثرت استعمال ہوتی ہیں ان کا استعمال کیا جائے، جیسا کہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ نے قرآن کریم کی چند آیات اورسورتوں کا

ترجمہ ہندو اصطلاحوں میں کیا ہے، تاکہ وہ اسے اپنا دین سمجھ کر لے لیں، جیسے **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** کا ترجمہ انہوں نے کیا ہے ''پہلے ہی پہل نام لیتا ہوں اس منموہن کا جو بڑی موہ اور مایا والا ہے'' **یقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون (البقرہ: ۳)** ''جو پوجا کو سنوارتے اور ہمارے دیے کا دان کرتے ہیں''۔

انہوں نے مدعو کی مانوس اور مشہور اصطلاحوں میں ترجمہ کیا ہے تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ دھرم کوئی الگ اور نیا دھرم ہے، اس لیے معروف اصطلاحوں کا استعمال داعیوں کو ضرور کرنا چاہیے۔

مثبت دعوت

دعوت کے لیے مثبت پہلو نہایت اہم اور ضروری ہے۔ جس قدر ہو سکے منفی رویہ سے اجتناب کیا جائے اور مثبت پہلو سے دعوت دی جائے۔ کیونکہ منفی انداز کے استعمال سے مخاطب میں چڑ اور ضد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے کسی بھی مذہب کی نہ توہین کی جائے اور نہ جارحانہ منفی انداز اختیار کیا جائے، حتی المقدور مثبت پہلو اختیار کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لیے کہ اس صورت میں مدعو کے دل و دماغ میں باتوں کے استقرار کرنے میں خاصی مدد ملتی ہے، وہ اپنے اندر اپنائیت اور خیر خواہی کو محسوس کرتے ہیں۔

آسان گروپ کا انتخاب

دنیا میں جتنے مذاہب پائے جاتے ہیں ہر ایک میں گروہ بندیاں پائی جاتی ہیں، ہر ایک کے عقائد و نظریات تقریباً ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان غیر مسلم گروپوں اور جماعتوں میں سے کچھ ایسی جماعتیں ہیں جو بڑی متشدد اور ضدی ہیں ''جیسے آریہ سماجی''۔ یہ ایک ایسی جماعت ہے جو مورتی پوجا کی بڑی شدت سے مخالفت کرتی ہے، توحید کی فکر رکھتی ہے، مگر اسلام سے نفرت اور اس کے تعلق سے شدت بھی اتنی ہی رکھتی ہے۔ ان کے پاس دعوت دینے کے لیے بہت ٹھوس تیاری کی ضرورت پڑے گی۔ وہ جلدی کسی کی باتوں کو قبول نہیں کرتی، بلکہ بحث و مباحثہ شروع کر دیتی ہے۔ ان کی تعداد بھی ہندوستان میں صرف ۵۔۵/ فیصد ہے۔ اس کے علاوہ ۹۵/۹۶/ فیصد غیر مسلم ایسے ہیں جو قبول حق کے متلاشی ہیں۔ بات رکھتے ہی وہ قبول کرنے کو تیار ہیں۔ اس لیے ہمیں زیادہ وقت ان لوگوں کے لیے نکالنا چاہیے جو قبول حق کے منتظر ہیں۔ ایسا نہیں کہ متشدد اور ضدی گروپوں کو دعوت نہ دی جائے، دعوت تو ہر ایک کو دی جائے گی، مگر جہاں کم وقت میں زیادہ کامیابی کی توقع ہو اس پر زیادہ محنت کی ضرورت ہوگی، اس لیے ایسے گروپ کا انتخاب کرنا چاہیے جو آسان ہو۔

(۹) مدعو اقوام کی لسان کا استعمال

دعوت پیش کرنے کے لیے مدعو کی زبان کا جاننا بیحد ضروری ہے۔ اس لیے کہ دعوت کا تعلق افہام و تفہیم سے ہے۔ مدعو جس زبان کو جانتا ہے اسی زبان میں گفتگو ہوگی تو وہ کچھ سمجھ سکیں گے، مخاطب کی زبان انگریزی ہے اور ہم بات کریں عربی یا اردو زبان میں تو وہ کیا سمجھ سکیں

گے؟اس لیے مدعو کی جو زبان ہے اسی میں گفتگو کی جائے۔سنت اللہ بھی یہی رہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم (ابراهیم:۴) ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس کی قوم کی زبان ہی میں (پیغام دے کر) بھیجا تا کہ وہ (اس پیغام کو) لوگوں پر اچھی طرح واضح کر دے۔

اسی قاعدے اور سنت اللہ کے مطابق نبی آخرالزماں ﷺ کو عربی زبان میں عربی قوم میں بھیجا گیا اور قرآن عربی میں نازل کیا گیا تا کہ وہ عرب قوم کو جو اس کے اولین مخاطب ہیں پوری وضاحت کے ساتھ اللہ کا پیغام پہنچا سکیں اور اس پر اللہ کی حجت پوری طرح قائم ہو۔معلوم ہوا کہ عرب قوم میں دعوت دینے کے لیے عربی ضروری ہے، انگریز قوم میں دعوت دینے کے لیے انگریزی ضروری ہے، ہندو قوم میں دعوت دینے کے لیے ہندی ضروری ہے۔

داعی کی زبان کا استعمال سے داعی اور مدعو کے درمیان کی اجنبیت ختم ہو جاتی ہے، آپس میں محبت و ہمدردی، قرب اور رحم دلی پیدا ہوتی ہے، باہمی تعلق استوار ہوتا ہے، اعتماد اور بھروسہ مضبوط ہوتا ہے۔ اسی طرح لسان کے استعمال سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔دعوت کے لیے ان فوائد کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔لسان میں صرف زبان نہیں آتی، بلکہ کلچر و تہذیب اور معروف اصطلاحات بھی شامل ہیں۔اسی طرح علوم اور فنون کی زبان بھی لسان میں ہی آتی ہیں جیسے سائنس اور میڈیکل۔ان دونوں سے گفتگو کرنے کے لیے ان کے فن کی اصطلاحوں کا استعمال ضروری ہوگا، تا کہ وہ بہ آسانی دعوت کو سمجھ سکیں۔ایک سائنس داں سے یہ بات کہی جائے کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے تو ہنس پڑیں گے اور کہیں گے کہ اس کو تو کچھ بھی نہیں آتا، اس لیے ان سے یہ بات کہی جائے کہ انسان مٹی کے عناصر سے پیدا کیا گیا ہے اس طرح وہ فوراً باتوں کو سمجھ سکیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شق صدر کا واقعہ پیش آیا، اب اس بات کو اسی انداز سے ایک ڈاکٹر کو کہی جائے تو انہیں سمجھنے میں پریشانی ہوگی، چونکہ ان کی اصطلاحیں الگ ہیں؛ لہٰذا ان کے سامنے یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہارٹ کا آپریشن ہوا ہے تو بہ آسانی وہ سمجھ لیں گے، اس لیے میدان دعوت میں مدعو کی اصطلاحوں کے سیکھنے کی کوشش کی جائے، خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا ہے۔

مخاطب کے اعتبار سے طریقہ کار کا انتخاب

ایمان اور عقیدہ کی بنیاد منجملہ تین چیزوں پر ہے (۱) توحید (۲) آخرت (۳) رسالت۔قرآن کریم جب عام انسان سے مخاطب ہوتا ہے اور جہاں ناس کا ذکر آتا ہے وہاں اس کی ترتیب توحید، آخرت اور رسالت ہوتی ہے اور جب مومنین سے مخاطب ہوتا ہے تو اس کی ترتیب

توحید، رسالت اور آخرت ہوتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **قولوا آمنا باللہ و ما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسمعیل واسحق ویعقوب والا سباط وما اوتی موسی وعیسی وما اوتی النبیوں من ربھم لا نفرق بین احد منھم و نحن لہ مسلمون** (البقرہ: ۱۳۶) اس آیت میں توحید، کتاب اور رسالت کا ذکر اسی ترتیب کے ساتھ کیا گیا ہے، اگلی آیت میں آخرت کا ذکر ہے، جہاں ناس کا ذکر آیا ہے اس کی ترتیب توحید، آخرت اور پھر رسالت ہے: **یا ایھا الناس اعبدو اربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون** (البقرہ: ۲۱) دعوت کی یہ عمومی ترتیب ہے، جہاں مخاطب کا حال معلوم نہ ہو وہاں یہ ترتیب اختیار کی جائے، جہاں مخاطب کا حال معلوم ہو ان کے حسب حال ترتیب بدلنی پڑے گی، کبھی تو رسالت سے شروعات ہوگی اور کبھی آخرت سے اور کبھی اس کے علاوہ سے بھی دعوت کی شروعات ہوگی۔ ان ترتیبوں کا لحاظ ضرور کیا جائے تاکہ کسی طرح کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہو۔ توحید کے بعد رسالت خصوصاً رسالت محمدی ﷺ کے ذکر سے معاہدانہ نظریہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے سامنے دھرم پریورتن (تبدیلی مذہب) کی بات کی جارہی ہے جس سے حقیقت میں اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ خود مسلمان ہندو یا عیسائی بن جائے تو دوسرے مسلمان اس کو برداشت نہیں کرتے۔ بالکل اسی طرح کی نفسیات ہندو یا عیسائی بھائی کی بھی ہوتی ہیں۔ اس لیے ہمیں ایسی تصویر پیش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ دھرم پریورتن کا نام ہی نہ آئے ورنہ اس سے بے شمار مسائل پیدا ہوں گے۔ البتہ یہ یاد دلایا جائے کہ ہم سب ایک ہی ماں باپ کی سنتان یعنی اولاد ہیں ہم اپنے حقیقی دھرم کو بھول گئے، ہمارا حقیقی دھرم تو وہ ہے جس کی تفصیلات اس طرح ہیں۔ (اس کے بعد ثابت کریں کہ تمام پیغمبروں کی تعلیم کا توحید اور آخرت ایک اہم حصہ تھا اور منو یا حضرت نوح نے بھی یہی تعلیم دی تھی۔)

مزاجوں کا لحاظ

اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین دین دین اسلام ہے جو ایک فطری دین ہے۔ اس دین فطرت کی دعوت پیش کرتے وقت مخاطب کے مزاجوں کا پاس و لحاظ کرنا انتہائی ضروری امر ہے، اس سے نہ صرف یہ کہ مخاطب مطمئن ہوں گے، بلکہ آپس کی نفرت، عداوت و دشمنی، محبت و ہمدردی اور دوستی میں تبدیل ہوجائے گی، جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: لاتستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ہی احسن فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم (حم سجدہ: ۳۴) یعنی اچھائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہو سکتے، تم (مثلاً کفر و شرک وغیرہ کو) احسن طریقہ سے دفع کرو، پس ایسی صورت میں تمہارے اور ان کے درمیان کی عداوت و دشمنی گہری محبت اور دوستی میں تبدیل ہوجائے گی''۔

ہندوستان کے اندر اللہ کے بہت سے نیک بندوں نے

دینی وملی خدمات انجام دی ہیں، بطور خاص حضرت اورنگ زیبؒ اور محمود غزنویؒ کا نام آتا ہے، ان کی دینی ودعوتی، ملی اور سماجی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے باوجود ان سے ہی ہندوستانی قوم (ہندو بھائی) بے حد نفرت کرتے ہیں۔ شاید نفرت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مدعو کے مزاج اور ان کی نفسیات کا خیال نہیں کیا تھا، اسی وجہ سے زبردستی تبدیلی مذہب کا الزام بھی انہیں کے سر آتا ہے جبکہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر ۹۰ لاکھ لوگوں نے ایمان قبول کیا تھا، پھر بھی نہ تو ان سے کوئی نفرت کرتا ہے اور نہ ان پر دھرم پریورتن کا الزام آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے مدعو کے مزاج کا بھرپور لحاظ کیا تھا، ان کی نفسیات کو خاطر میں رکھتے ہوئے ان کو ایمان کی دعوت دی تھی۔ اسی وجہ سے آج بھی لوگ ان سے عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے مزار پر پھولوں کی چادر بھی چڑھاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ جن میں عقیدت ومحبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ یقیناً وہ ہر زمانے کے داعی سے محبت رکھیں گے، شرط یہ ہے کہ ان کے مزاج کا خیال کیا جائے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ جوگیوں کا قافلہ کہیں جارہا تھا۔ ان کو جب معلوم ہوا تو یہ بھی اپنے شاگردوں کے ساتھ گیروے رنگ کا لباس پہن کر ان کے ساتھ ہوگئے۔ رات میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالا اور پھر وہ بھجن گانے لگے، بھجن کر کے جب وہ سو گئے تو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اُٹھے اور قرآن کریم کی تلاوت شروع کردی۔ آواز سن کر وہ لوگ بھی اُٹھ گئے، جب یہ تلاوت کر چکے تو انہوں نے پوچھا تم یہ کون سا بھجن کر رہے تھے؟ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے جواب دیا کہ تم لوگ جو بھجن کر رہے تھے اس کو جس نے لکھا ہے میں اس لکھنے والے کے پیدا کرنے والے کا بھجن گا رہا تھا۔ تلاوت قرآن کا اثر ہوا اور اللہ کی رحمت جوش میں آئی، ان تمام لوگوں کو ہدایت ایمان نصیب ہوئی اور سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

ایک زمانہ تھا کہ کشمیر میں ۹۷ر فیصد غیر مسلم اور ۳ر فیصد مسلمان تھے، مگر صرف دو بزرگوں سید احمد علی ہمدانی اور شاہ نورالدین ہمدانیؒ کی محنتوں اور کوششوں سے آج ۳ر فیصد غیر مسلم اور ۹۷ر فیصد مسلمان ہیں۔ وہاں کے لوگوں کا مزاج بھجن میں راگ کے سننے کا تھا، لوگ فجر کی نماز کے لیے گھر سے نکلتے ضرور تھے، مگر اذان میں راگ کی آواز نہ ہونے کی وجہ سے راستے میں جہاں راگ کی آواز سننے کو ملتی وہیں رک جاتے تھے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے وہاں کے بزرگوں نے اذان میں راگ کو شروع کردیا۔ اب لوگ کثرت سے مساجد میں آنے لگے۔ آج بھی وہاں کی اذان میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔

غرضیکہ ہندو قوم ایسی ہے کہ دعوت دینے والوں سے بے پناہ محبت کرتی ہے، ان کی محبت اس وقت اور زیادہ ہوجائے گی جب ان کے مزاجوں کا لحاظ کیا جائے۔ جو لوگ اس کام میں لگے ہیں آج تک کہیں بھی کسی طرح کی ان کی مخالفت نہیں کی گئی اور نہ کی جائے گی بشرطیکہ

ان کے مزاج کا لحاظ کیا جائے۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ وہ محبت کرے گی بلکہ دین حق کے قبول کرنے میں بھی پیش پیش ہوگی اور اپنا دین سمجھ کر قبول کرلے گی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی پیشین گوئی ہے کہ کبھی ہندوں کا تسلط مکمل اقتدار کی حد تک ہوجائے تو اللہ کی حکمت پر یہ واجب ہے کہ وہ ان کی مذہبی پیشواؤں کے دل میں یہ بات ڈالے کہ وہ دین اسلام کو اپنا دین سمجھ کر قبول کرلیں۔ دعوتی نقطہء نظر سے ہمیں اسلام کی ایسی تصویر پیش کرنی چاہئے کہ وہ اسے اپنا دین سمجھ کر قبول کرلیں، مدعو کے مزاج اور نفسیات کا لحاظ اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے کہ وہ علاقہ جہاں گائے کے گوشت کو ناپسند کیا جارہا ہو، وہاں کے مسلمان گوشت خوری سے اس وقت تک رک جائیں جب تک دعوت کے نتیجہ میں ان کے ذہن سے گائے کی تقدیس نکل جائے، ایسا کرنے میں شرعی نقطہ نظر سے بھی کوئی قباحت نہیں ہے۔

مدعو کی ذہنی استعداد کا لحاظ

دوران دعوت اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ مدعو کس صلاحیت کا مالک ہے، اس کی ذہنی اور علمی سطح کیا ہے؟۔۔۔ اس کا اندازہ لگائے بغیر گفتگو کرنا وقت کو برباد ہوگا۔ یہ فطری چیز ہے کہ مخاطب جس میدان کا ہو اسی لائن اور اسی پہلو سے گفتگو کرنے سے اس کی خاص دلچسپی ہوتی ہے اور اس طرح کے انداز گفتگو سے چاہے وہ نہ سننا چاہیں۔ مگر جو کچھ سنیں گے وہ ان کے دلوں میں پیوست ہوجائے گا۔ اس لیے حتی المقدور کوشش یہ کی جائے کہ ان کی قابلیت، صلاحیت اور ذہنی سطح سے باتیں کی جائیں۔ اگر مخاطب ڈاکٹر ہے تو میڈیکل والے پہلو سے گفتگو ہو، سائنسداں ہے تو اسی اعتبار سے گفتگو کرنا مفید ہوگا اور اگر کسی دوسری لائن کے پڑھے لکھے ہوں تو علمی گفتگو ہی کارگر ہوگی۔ اسی طرح کاروبار کرنے والے اور مزدور پیشہ ہیں تو اسی لحاظ سے دعوت پیش کی جائے۔

جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال

اسلام وہ مذہب ہے کہ جو اپنی طاقت سے پھیلتا ہے، یہی وہ مذہب ہے کہ جس کو دبانے اور برباد کرنے میں ساری دنیا مل کر ہاتھ دھو کر پیچھے پڑی ہے اور اس کے لیے انہوں نے جدید ذرائع ابلاغ کے استعمال کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ ہر اعتبار سے اس کے استعمال کی کوششیں کی جارہی ہیں، مگر مسلمانوں نے ان ذرائع ابلاغ کے استعمال کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ آج اگر اس کا استعمال کیا ہوتا تو صورت حال کچھ اور ہی ہوتی۔ چونکہ میڈیا اتنی ترقی کرچکا ہے کہ لمحوں میں کسی خبر کو پوری دنیا میں عام کردیتا ہے، انٹرنیٹ، ٹی وی، ریڈیو، اخبار اور رسائل وغیرہ یہ سب ایسے ذرائع ہیں کہ اس کے استعمال سے کسی بھی پیغام کو پوری دنیا لمحوں میں جان لیتی ہے۔ اس سلسلے میں مسلمان اگر پہل کرتے تو پوری دنیا میں آج اسلام کی صحیح اور حقیقی تصویر سامنے ہوتی۔ میڈیا وہ ذریعہ ابلاغ ہے کہ جس کا استعمال خود سرکار دو عالم ﷺ نے کیا ہے۔ اس وقت کا میڈیا پہاڑ کی

چوٹی پر چڑھ کر آواز لگانے کا تھا اور آپ ﷺ نے بھی اس وقت پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر آواز لگائی تھی **یا صبا حا یا صبا حا** جب ساری قوم جمع ہوگئی تو پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی۔ اس وقت کا میڈیا وہی تھا جس کو آپ نے اختیار کیا اور آج میڈیا نے جب ترقی کر لی تو کیوں نہ اس کا استعمال کیا جائے۔ عیسائیوں نے اس کو خوب استعمال کیا ہے، مسلمان تبلیغ حق کے لیے میڈیا کا استعمال کیوں نہیں کرتے؟ زیادہ سے زیادہ اس کا استعمال کیا جائے تاکہ کم مدت میں زیادہ کام کیا جاسکے۔ بذات خود ایک مسلم داعی ہر شخص کے پاس تو نہیں پہنچ سکتا مگر میڈیا کے ذریعہ صرف ایک ملک ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں بیک وقت پیغام پہنچ سکتا ہے اور پوری دنیا کو حق وراستی، امن وشانتی کا جام پلایا جاسکتا ہے۔

غلطی کا اعتراف اور غلط فہمی کا ازالہ

اس عنوان کا پہلا جز، بہ ظاہر بہت دشوار معلوم ہوتا ہے، کیونکہ غلطی کا اعتراف ظاہر میں اپنی تنقیص کی مانند معلوم ہوتا ہے۔ غیر عادی کے لیے تو واقعی بہت مشکل ترین مرحلہ ہوگا، مگر عادی کے لیے اس میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ غلطی کرتا جائے اور اعتراف کرتا چلا جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہیکہ میدان دعوت میں کچھ مواقع ایسے بھی درپیش ہوں گے کہ خود اپنی ذات سے خدا نہ خواستہ غلطی کا صدور ہو جائے یا ماضی میں مسلمانوں سے منسوب غلطیاں ہوں اور کوئی استغفار کر دے تو اس وقت بطور خاص غلطیوں کا اعتراف ناگزیر ہوگا۔ مسلمانوں کے لیے تو بہت شاق ہوگا مگر اعتراف کر لینے سے غیر مسلم بھائیوں کے دل آئینہ کی طرح صاف ہو جائیں گے اور باہمی اعتماد بھی بحال ہوگا اور پھر آپ کی ساری باتیں مخاطب کے دلوں میں نہ صرف بیٹھ جائیں گی، بلکہ اثر انداز بھی ہوں گی۔ اس لیے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اگر واقعتاً غلطی تھی تو اس کا اعتراف کر لیا جائے خواہ مخواہ اس کو توڑ مروڑ کے پیش نہ کیا جائے۔ محمود غزنویؒ سے ہندو بھائی جتنی نفرت کرتے ہیں شاید کسی اور سے نہیں کرتے، الزام ہے کہ محمود غزنویؒ نے سترہ مرتبہ گجرات کے سومناتھ مندر پر حملہ کیا اور وہاں جمع ہوئے روپیے پیسے اور سونے کو لیا اور چلے گئے، دعوت اسلام نہیں دی، اسی بنیاد پر لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں، اب اگر اس کے متعلق سوال ہو تو دعوتی حکمت کو سامنے رکھتے ہوئے اعتراف کر لینا چاہیے کہ انہی کی کیا بات ہے؟ کوئی بھی انسان ہو غلطی ہو تو اس کا اعتراف کرنا چاہیے، انہوں نے کیا ہوگا، مگر ہمارے لیے نمونہ اور آئیڈیل وہ نہیں ہیں، بلکہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ بہر حال اگر کسی غلطی کی طرف توجہ کرائی جائے تو بہت اچھی طرح پس منظر کو سمجھا جائے، اگر واقعی غلطی ہو تو اعتراف کر لینا چاہیے اور غلطی نہیں ہے مگر غلط سمجھا گیا ہے تو اس کا ازالہ بھی کرایا جائے کہ یہ کوئی عربی دھرم نہیں، بلکہ بھارتیہ دھرم ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دنیا میں آنے والا سب سے پہلا انسان حضرت آدمؑ اسی

دھرتی پر آئے تھے اور انہیں جو دھرم ملا تھا وہی اسلام ہے۔

جوابات میں سھل انداز کا اختیار کرنا

دین فطرت کو دل سے گہری مناسبت ہے۔میدان عمل میں مدعو کی طرف سے وارد ہونے والے سوالات کئی قسموں کے ہوں گے، ان سوالات کے جوابات میں توازن کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہے۔ نرمی و خوش روی اور خوش اسلوبی سے نہایت سہل انداز میں جوابات کو پیش کرنا چاہیے تاکہ جوابات سے مدعو اقوام کو قلبی اطمینان حاصل ہو اور وہ باتیں ان کے دلوں میں اتر جائیں۔ ایسا جارحانہ انداز نہ ہو کہ مدعو دل برداشتہ ہو جائے، ان کی انا ءکو چوٹ لگے، اس لیے کہ جارحانہ انداز سے ان کے دلوں کو چوٹ لگتی ہے، اس طرح ان کے دلوں کو فتح نہیں کیا جا سکتا، دلوں کو فتح کرنے کے لیے سہل اور آسان انداز کا اختیار کرنا ضروری ہے۔

کیا ناموں کی تبدیلی ضروری ھے؟

اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو نور حق اور ایمان سے نوازتا ہے ضروری نہیں کہ ان کا نام بدل دیا جائے ۔ناموں کا بدلنا نہ تو قرآن اور نہ حدیث سے ثابت ہے اور نہ ہی یہ فرض و واجب کا درجہ رکھتا ہے۔عموماً مسلمانوں کی طرف سے پہلی فرصت میں اس بات کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اس کا نام بدل دیا جائے اور اگر مرد ہے تو ان کا ختنہ کر دیا جائے۔اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ یہ دونوں چیزیں اچھی ہیں، مگر اس اقدام سے ایمان قبول کرنے والے بھائی کے ساتھ کیا کیا حالات درپیش ہوتے ہیں، کسی مسلمان کو توفیق نہیں ہوتی کہ اس میں حصہ لیں۔ان کے نام کی تبدیلی سے جو خیالات و تصورات ان کے سماج اور معاشرے کے لوگوں میں پائے جاتے ہیں وہ یہ کہ اب یہ شخص ھمارے دین، ھماری کتاب، ہمارے بزرگ شخصیات سے کلیۃً الگ ہو گیا ہے۔جس کے ردعمل میں ان کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور پھر ان کے لیے ایک ایک لمحہ آفت و مصیبت بن جاتی ہے۔اس لیے اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ ناموں کا بدلنا اور نہ ہی ختنہ کرنا ضروری ہے۔رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کی سیرت میں ہمیں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ بلاوجہ نام بدلا گیا ہو۔ہاں جس نام میں کفر و شرک پایا جائے اس کے بدلنے کا مشورہ دیا جائے۔رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ کا نام ؛عبدالشمس تھا؛ جو کہ شرکیہ نام ہے؛ اس لیے اس کو بدل کر ؛عبدالرحمٰن؛ رکھا گیا۔اس طرح کے ناموں کے علاوہ کہیں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ نام بدلا گیا ہو، عربی نام ہی رکھنا ضروری نہیں ہے۔،ہم اپنے بچوں کا نام چاند، ستارے، آفتاب، مہتاب اور شبنم، شائستہ وغیرہ رکھتے ہیں یہ پورے نام فارسی ہیں، جب فارسی نام رکھا جا سکتا ہے تو ہندی نام کیوں نہیں رکھا جا سکتا۔نام نہ بدلنے سے بڑی اہمیت کی چیز حاصل ہوتی ہے مثلاً جو ایمان قبول کرتے ہیں اور اپنا نام نہیں بدلتے وہ اپنے سماج اور خاندان کے لوگوں میں

بڑی آسانی سے دعوت کا کام کر سکتے ہیں، ان کو کوئی دشواری اور پریشانی نہیں ہوتی، مگر نام تبدیل کر دینے سے دعوت کے کام میں بڑی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔اس لیے ہمیں حتی المقدور اس سے بچنے کی ضرورت ہے اور سنجیدگی کے ساتھ سوچنے اور کام کرنے کی ضرورت ہے۔ہم مسائل پیدا کرنے اور سختی پیدا کرنے کے واسطے نہیں پیدا کیے گئے، بلکہ آسانی پیدا کرنے کے لیے ہمیں بنایا گیا ہے، ''خلقتم میسرین لا معسرین''

دعوت عقائد کی نہ کہ مسائل کی

نبوت کے بعد مکّہ میں بہت ساری خرابیاں اور بیماریاں پائی جاتی تھیں ،مگر آپ ﷺ نے ان مسائل سے تعرض نہیں کیا، بلکہ ایک اللہ کا تعارف کرایا اور خدا کے خوف کو واضح فرمایا اور اس پر آپ ﷺ نے زیادہ محنت فرمائی ۔اس لئے ہمیں بھی عقائد اور ایمانیات کی دعوت دینی چاہیے ۔عقائد کے مضبوط ہونے کے بعد مسائل از خود حل ہو جائیں گے۔جیسا کہ دور نبوت و رسالت میں ہوا۔لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے کا شیوہ تھا،شراب کے عادی تھے اور اس طرح کی دیگر بہت سی خرابیاں تھیں،مگر رسول اللہ ﷺ نے ان پر کلی محنت نہیں کی بلکہ جزوی محنت کی تھی ۔تمام کی تمام محنتیں توحید و رسالت کے اثبات اور شرک کی تردید سے متعلق تھیں ۔دیکھتے ہی دیکھتے پورے عرب کے دلوں میں ایمان کو ایسا بٹھا دیا کہ گناہ کے ترک پر احکام نازل ہوتے ہی تمام کے تمام مسلمانوں نے بیک وقت چھوڑ دیا،اس لیے اس پر نظر رکھتے ہوئے دعوت کا کام کیا جائے، بنیادی ایمانیات کی دعوت دی جائے اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔اسے قبول کرنے کے بعد ہی وہ دیگر فرائض کے مکلّف ہوں گے؛اس لیے ابتداء میں ایمان کی دعوت دی جائے مسائل اور دیگر امور بعد میں پیش کیے جائیں۔

دین اسلام کی دعوت میں فطرت انسانی کا لحاظ

دین اسلام ایک فطری دین ہے اور انسان فطرت سے ہٹی ہوئی چیزوں کو جلدی قبول نہیں کرتا؛اس لیے فطرت انسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے دعوت دی جائے اور انسانی فطرت میں یہ ہے کہ کسی چیز کو آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا قبول کرتی ہے،اس لیے اسے ذہن میں رکھتے ہوئے دعوت دی جائے تا کہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجائے اور انہیں قبول کرنے میں کوئی دشواری اور پریشانی نہ ہو،یہ دین دین فطرت ہے،اس سے ہٹ کر دعوت پیش کی جائے تو دشوار معلوم ہوگا؛اس لیے فطرت کا لحاظ ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆

۷۔ دعوت وتبلیغ میں کس کام سے بچیں

مناظروں سے اجتناب

دین اسلام کی دعوت کو محبت و ہمدردی سے گہرا ربط و تعلق ہے۔اس کو خاطر خواہ میں لائے بغیر دعوت نہیں دی جاسکتی۔اس کے برخلاف مناظرہ بازی ہے۔جس میں ہتک آمیز باتیں ہوتی ہیں،ایک دوسرے کے جذبات اوراس کی عزت کا پاس ولحاظ نہیں ہوتا،اس سے دل کو چوٹ لگتی ہے،ضداور چڑ کو رواج ملتا ہے۔اس سے چاہیں تو ہم میدان جیت جائیں مگر دل نہیں جیت سکتے۔جب کہ داعی کے لیے دل کا جیتنا بیحد ضروری ہے۔میدان جیتنے سے مخاطب ایمان قبول نہیں کرتے،مگر دل کے فتح کر لینے سے یقیناًوہ ایمان قبول کرلیں گے۔اس لیے ہمیشہ داعیوں کونرم لہجہ اختیار کرنا چاہیے،پیار ومحبت اورخیرخواہی سے لبریز گفتگو کرنا چاہیے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا:

وقو لا لہ قو لا لینا(سورۃ طٰہ:۲۰:۴۴) کہ ان سے نرم باتیں کہو۔

ہاں دلیلیں بھی ہوں مگر اچھی دلیل اچھے انداز میں دی جائیں،جیسا کہ ارشاد ہے:

وجادلھم بالتی ھی احسن (النحل:۱۲۵) یعنی سب سے اچھاانداز اختیار کیا جائے۔

باتوں میں مٹھاس پیدا کی جائے،قرآن نے ان بت پرستوں کی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے کہا: **ولا تسبوالذین یدعون من دون الله عدوابغیر علم (الانعام:۱۰۸)** یعنی اللہ کو چھوڑ کر جن کو وہ لوگ پکارتے ہیں ،ان کو گالی مت دو (برا بھلا مت کہو)؛ کیونکہ وہ بھی اپنی جہل کی وجہ سے حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

معلوم ہوا کہ مخاطب کی نفسیات کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔مناظرہ میں اس کی رعایت بالکل ہی نہیں رہتی؛اس لیے مناظرہ سے اجتناب ضروری ہے تاکہ مخاطب دل برداشتہ نہ ہو،اس میں ضداور چڑ کی کیفیت پیدا نہ ہو۔

غیر اہم اور حساس چیزوں سے اعراض

دعوت کی اصل روح عقائد ہیں۔اس لیے دعوت عقائد کی دی جائے،مسائل پر گفتگو نہ کی جائے۔جتنے بھی مسائل ہیں عقائد کے حل ہونے کے بعد مسائل از خود حل ہوجائیں گے۔مستقل ۱۳/برس تک عقائد پر زور دیا؛اس لیے ہمیں بھی عقائد پر زور دینا چاہیے،لیکن دوران دعوت اگر کوئی حساس اور غیر اہم مسئلہ پیدا ہو جائے مثلاً: جیو ہتیا(ذبیحہ)وغیرہ تو حکمت عملی کا استعمال کر کے عقائد کی طرف اس کا رخ موڑ دینا چاہیے۔کیونکہ داعی کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ کسی طرح ان کے عقائد درست ہو جائیں۔داعی کی نظر بھی مخاطب کے

ایمان وعقائد کی درستگی پر ہوتی ہے۔ گو کہ اس سوال (ذبیحہ) کا جواب بھی بڑی تفصیل سے دیا جا سکتا ہے، مگر چونکہ اصل یعنی ایمانیات پر گفتگو ہو رہی ہے؛ اس لیے زیادہ اہمیت اس کی ہے۔ ایسے مواقع جب آئیں تو حکمت عملی کا استعمال ناگزیر ہوگا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے دربار نمرود میں کیا تھا:

اَلم تَرَ الی الذی حاجَّ ابراہیم فی ربہ ان آتاہ اللہ الملک اذ قال ابراہیم ربی الذی یحی ویمیت قال انا احی وامیت قال ابراہیم فان اللہ یاتی بالشّمس من المشرق فائت بھا من المغرب فبُہت الذی کفر (البقرہ:۲۵۸)

کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں اس وجہ سے جھگڑا کیا کہ اللہ نے اس کو اقتدار بخشا تھا، جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے، اس نے کہا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں، ابراہیم نے کہا اچھا تو اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو اسے مغرب سے نکال لا، یہ سن کر وہ کافر ششدر رہ گیا۔

آیت مذکورہ میں حضرت ابراہیمؑ نے خدا کا تعارف کرایا کہ وہی مارتا اور جلاتا ہے، اس پر خدائی کا دعویدار نمرود نے کہا کہ میں بھی مارتا اور جلاتا ہوں، حضرت ابراہیمؑ نے اس کی باتوں سے اس کی عقل و سوچ کا پتہ لگا لیا تھا کہ اس میں مزید باتیں کرنا وقت کی بربادی ہے، اس لیے ابراہیم علیہ سلام نے اس مارنے اور جلانے کے موضوع ہی کو چھوڑ دیا اور حکمت عملی کا استعمال کرتے ہوئے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا اور مغرب میں غروب کرتا ہے، اگر تم خدا ہو تو مغرب سے نکال کر مشرق میں غروب کر دکھاؤ، غرضیکہ حساس اور غیر اہم مسائل کے پیدا ہونے پر حکمت عملی کا استعمال ضروری ہوگا۔

نسلی منافرت نہ کریں

ہندو سماج میں ورن ویوستھا (ذات پات میں اونچ نیچ) کا تصور پایا جاتا ہے، اس کو ہوا نہ دی جائے، بلکہ مثبت انداز میں یہ بتایا جائے کہ جنم کے آدھار پر کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہوتا، بلکہ کرموں کے آدھار پر بڑا چھوٹا ہوتا ہے:

ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم (الحجرات:۱۳) خدا کے نزدیک محترم اور باعزت وہ شخص ہے جو متقی اور پرہیزگار ہے۔

جلیل القدر صحابی حضرت بلالؓ ایک حبشی غلام تھے، مگر ان کے اعمال ایسے تھے کہ خود حضرت عمرؓ نے اپنے دفتر سے نکل کر ان کا استقبال کیا تھا اور ارشاد فرمایا کہ یہ میرے سردار ہیں۔ ہندو سماج میں اونچ نیچ کا تصور پایا جاتا ہے۔ جو لوگ نچلی ذات کے سمجھے جاتے ہیں وہ اونچی ذات والے برھمن سے بڑی نفرت کرتے ہیں۔ ان سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ جو نظام ہے یہ قابل نفرت ہے یعنی برھمن ازم یا برھمن واد قابل نفرت ہے، برھمن سے نفرت کیوں کی جائے؟ اسی طرح برھمن سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ذات پات کے تعلق سے جو کچھ کہا گیا ہے یا سمجھا گیا ہے وہ غلط ہے، اس لیے کہ پیدائشی طور پر کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہوتا

، بلکہ کرموں کے آدھار پر بڑا چھوٹا ہوتا ہے۔

مدعو کی مذہبی شخصیات سے ٹکرائو نہ ہو

وہ باتیں جن سے داعی اور مدعو کے درمیان دوری پیدا ہو ان سے احتراز کرنا ہی بہتر ہے۔ بہت سے امور ایسے ہیں جن سے مدعو کا گہرا تعلق ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے کہا:

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادا یحبونھم کحب اللہ :بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر خدا کو شریک خدا بتاتے ہیں اور ان سے خدا کی ہی محبت کرتے ہیں۔(البقرہ:۱۶۵) یہ ان کے عقیدت اور جذبات کا بیان ہے، کسی کے جذبات کو مجروح نہ کیا جائے، اللہ پاک کا پاک ارشاد ہے:

لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا ابغیر علم (الانعام:۱۰۸) یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کو وہ پکارتے ہیں، انہیں تم برا بھلا مت کہو (گالی مت دو) اس لئے کہ وہ بھی نادانی میں اللہ کو گالی دیں گے۔

جس طرح مومنوں کے جذبات ہوتے ہیں، مدعو کے بھی ویسے ہی جذبات ہیں، قرآن کریم نے ان کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وقولوا امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والھنا والھکم واحد ونحن لہ مسلمون (العنکبوت:۴۶) اور یوں کہو ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئی اور یہ (تم بھی تسلیم کرتے ہو) کہ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم تو اسی کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی مضمون آل عمران کی مندرجہ ذیل آیت

قل امنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراھیم و اسمعیلو اسحق و یعقوب و الاسباط وما اوتی موسی و عیسی والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون (ال عمران:۸۴)

یہ ایک فطری بات ہے کہ ہر شخص کا مذہبی پیشوا اس کی نظر میں بہت محترم ہوتا ہے، حضرت محمد ﷺ رحمۃ ل آلمین ہیں۔ رہتی دنیا تک کی انسانیت کے رسول ہیں۔ تمام کی تمام فضیلتیں آپ ﷺ میں موجود ہیں۔ مگر یہ بات مسلمانوں کی حد تک ہی ہے کہ وہ سید المرسلین ہیں، غیر مسلم بھائیوں کے نزدیک ان کی محترم شخصیات ہی سب سے اعلیٰ اور معزز ترین تصّور کیے جاتے ہیں۔ کیا ضرورت ہے کہ ان کے سامنے حضور ﷺ کی سرداری اور فضیلت کو ثابت کیا جائے؟ صدر ہر جا کہ نشیند صدر است۔ اس طرح ایک دوسرے کے نبیوں میں فوقیت اور کمتری کے رویے سے داعی اور مدعو کے درمیان بڑی دیوار حائل ہو جاتی ہے۔ گرچہ حضرت محمد ﷺ سید المرسلین ہیں، مگر فضیلت دینا ہمارا کام نہیں، اسی وجہ سے ارشاد ہوا **لا نفرق بین احد منھم** ان نبیوں میں کسی نبی میں بھی ہم تفریق (اتار چڑھاؤ

)نہیں کرتے۔خود اللہ تعالیٰ نے رسول اور مومنین کی شان اس طرح بیان فرمائی ہے:

آمن الرسول بما انزل الیه من ربه والمؤمنون کل اٰمن بالله وملا ئکته و کتبه و رسوله لا نفرق بین احد من رسله

(البقرہ:۲۸۵)رسول ایمان لائے اس پر جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے اور تمام کے تمام مومنین اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ،ہم اس کے کسی رسول کے درمیان بھی تفریق نہیں کرتے۔

غرض یہ کہ کسی نبی کو کسی پر فضیلت اور برتری دینا ہمارا کام نہیں، بلکہ یہ کام اللہ نے اپنے ذمے لے لیا ہے اور یقیناً ایک نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت اور برتری دی ہے:

تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض منهم من کلم الله ورفع بعضهم درجات

(البقرہ:۲۵۳) کہ ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔جن سے اللہ ہم کلام ہوا ہے،ان میں سے بعض کے درجات کو بلند کیا ہے۔

میدان دعوت میں اس طرح کی فضیلت اور برتری ثابت کرنے کی ضرورت بھی کیا پڑے گی،اس طرح ایک دوسرے کی فضیلت اور برتری کے اثبات سے داعی اور مدعو میں دوریاں پیدا ہوں گی،اس لیے حتی المقدور اس طرح کے رویے سے اجتناب کیا جائے۔اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے:

وتؤمنون بالکتاب کله (آل عمران:۱۱۹) کہ تم اس (اللہ) کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔اس طرح کی آیات سے مدعو کو متعارف کرایا جائے کہ ہمارے لئے تو تمام ایشور گرنتھ (خدائی کلام) پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔صرف کتاب ہی نہیں بلکہ ہر ایش دوت (پیغمبروں) پر ایمان لانے کو ضروری اور لازم کر دیا گیا ہے،اگر بائبل اللہ کی کتاب ہے تو اس پر اور اگر وید خدا کی کتاب ہے تو قرآن کریم کے ساتھ اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔یہ بھی اسی رشیوں اور سندیشٹا (پیغمبر) کی بات ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں ،آپ سے پہلے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی بعثت ہوئی ہے،ان تمام پر ایمان لانا ضروری ہے۔حتی کہ اگر شری رام چندر جی شری کرشن جی ان میں سے ہیں تو ایک مسلمان کے لیے ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

بہر حال مدعو کی مذہبی انا سے ٹکراؤ کوئی اچھی چیز نہیں ہے،دعوت کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کا باعث ہوگا،اس لئے ہمیشہ ان کی مذہبی شخصیات اور مذہبی کتابوں کا باسلیقہ اور باادب ذکر کیا جائے۔اس سے نہ صرف قربت پیدا ہوگی بلکہ اجنبیت بھی ختم ہوگی،محبت اور ہمدردی کو بڑھاوا ملے گا۔اس کے بعد وہ اپنے کسی بھی کام میں داعی کے مشوروں کو خصوصی اہمیت دیں گے ۔مسائل کے حل میں داعی سے اچھا محسن کوئی دوسرا نہیں نظر آئے گا جیسا کہ حضرت یوسفؑ سے جیل کے

ساتھیوں نے کہا: **انا لنراک من المحسنین** (یوسف:۳۶) کہ ہم تو آپ کو محسن ہی پاتے ہیں ۔اس لیے میدان دعوت میں مدعو کے مزاج کے لحاظ سے ان کے مذہبی اقدار کا اچھے ڈھنگ سے ذکر کیا جائے۔

وحدت دین اور وحدت ادیان کا فرق

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین دین اسلام ہے، اس کے علاوہ کوئی دین نہ تو اس کے نزدیک معتبر ہے اور نہ قابل اتباع۔مسلمان اسی دین کی تبلیغ کے مکلّف ہیں ۔شروع سے چلا آنے والا دین بھی یہی ہے۔ حضرت آدمؑ کو بھی اسی دین کی اتباع کا حکم ملا تھا۔ یہ وہ دین ہے کہ جس کا آغاز حضرت آدمؑ سے ہندوستان میں ہوا، اور تکمیل عرب میں حضرت محمد ﷺ پر ہوئی ۔اسی دین و مذہب میں بگاڑ پیدا ہو جانے کی وجہ سے الگ الگ مذاہب وجود میں آئے ۔جو بگاڑ پیدا ہوا ہے، ہم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اس بگاڑ کو درست کریں۔عموماً لوگ کہہ جاتے ہیں کہ سارے ادیان ایک ہی ہیں۔ بلفظ دیگر منزل ایک ہے راستے الگ الگ ہیں، کسی بھی راستے (دین کی اتباع) کو اختیار کریں سب کو ایک ہی منزل پر پہنچنا ہے۔ یہ وہ نظریہ ہے کہ جو گمراہی کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے بہت حاضر دماغی کی ضرورت ہے کہ خدا نہ خواستہ ہم بھی یہ بات کہہ بیٹھیں ۔ ہاں یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ منزل بھی ایک ہے جہاں جانا ہے اور معتبر دین بھی ایک ہے، اس دین کے نام الگ الگ زمانوں میں الگ الگ بھاشاؤں میں الگ الگ تھے۔ نام کی حد تک تو کہا جاسکتا ہے، مگر قابل اتباع اور معتبر دین تو ایک ہی ہے۔ اس وقت اسی دین کی بات کی جارہی ہے، چاہے اس دین کو ہم دین قیم، دین اسلام یا سناتن دھرم کہہ لیں۔ و حدت دین اور وحدت ادیان کا فرق اور اس کا امتیاز ضروری ہے تاکہ ہم بہ آسانی دعوت کے فیریضہ کو انجام دے سکیں اور خود اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں، غرض یہ کہ ہماری دعوت وحدت دین کی ہو، وحدت ادیان کی نہیں۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ نمبر ۶ سے)
تو اس وقت محلّہ کے پورے لوگوں پر یہ نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین فرض عین ہو جاتی ہے اور جب اس کی ادائیگی کے لیے اتنے آدمی موجود ہوں کہ وہ آسانی سے ان کی تکفین و تدفین کر لیں گے تو باقی لوگوں سے فرض عین ختم ہو جاتا ہے اور فرض کفایہ بن جاتا ہے۔
آج ہندوستان میں اتنے افراد موجود نہیں ہیں کہ جو دعوت کے کام کے لیے کافی ہوں۔اسی لیے دور حاضر کے مشہور و مقبول فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں کہ موجودہ دور میں ''دعوت دین فرض عین'' ہے۔امام رازیؒ نے بھی دعوت کو فرض عین قرار دیا ہے۔فرض عین کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر صاحب عقل بالغ مسلمان پر اس کی ادائیگی ضروری ہے، اس کا تارک گناہ کا مرتکب ہوگا۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو اس عظیم فریضہ کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

۸۔داعی کے اوصاف کیا ہوں؟

مدعو کی مذہب اور تہذیب کا علم ضروری ہے۔

میدان دعوت میں دوران گفتگو اس بات کا جاننا بیحد ضروری ہے کہ مدعو کا تعلق کس مذہب کے کس فرقے سے ہے، کیونکہ الگ الگ فرقوں کے عقیدے الگ الگ ہیں۔صرف ہندو قوم پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سیکڑوں فرقے ہیں اور ہر ایک کے نظریات اور عقائد بھی ایک دوسرے سے جدا گانہ ہیں۔اس کے باوجود دستور ہند میں وہ ہندو شمار ہوتے ہیں۔مخاطب کا علم ہوگا تبھی ان کے عقائد کو صاف کیا جائے گا ورنہ تو گفتگو ہوتی رہے گی اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کسی دوسرے فرقے کا ہے۔اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہمارا مخاطب کس نظریہ اور کس عقیدہ کا ماننے والا ہے، تاکہ بہ آسانی ان کے باطل نظریات کو ختم کیا جاسکے۔حضور ﷺ طائف کے سفر سے جب واپس ہوئے تو ایک باغ میں آرام فرما ہوئے، جہاں باغباں نے خدمت اقدس میں انگور کے خوشے بھی پیش کیے۔اس باغباں سے آپ ﷺ نے پوچھا ''تم کہاں کے رہنے والے ہو؟'' اس نے کہا ''میں نینوا کا رہنے والا ہوں''۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں یونس ابن متی کا بھائی ہوں، یہ سن کر اس نے کہا کہ یہ تو صرف نبی ہی جان سکتا ہے، کیونکہ اب تک مجھے کوئی بھی نہیں جان سکا تھا اس پر اس کے بعد اس نے آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار بھی کیا اور حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

عدی ابن حاتم کی بہن قید ہوکر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے رہا کردیا۔جب وہ اپنے گھر واپس ہوئی تو اپنے بھائی عدی بن حاتم کو سمجھانے لگی اور کہا کہ واقعی وہ نبی ہیں، تم ان سے جاکر ملو۔عدی بن حاتم رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لیے حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اے عدی بن حاتم اسلام لاؤ سلامت رہوگے''۔انہوں نے کہا ''میں تو اسی دین کو مانتا ہوں''۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''تمہارے دین کو تم سے زیادہ میں جانتا ہوں۔کیا ایسا نہیں ہے کہ تم اپنی قوم کا چوتھائی مال غنیمت کے طور پر کھاتے ہو؟''..... اس نے کہا کیوں نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو غلط اور حرام ہے، تمہیں تو حرام چیزوں کے استعمال سے بچنے کا حکم دیا گیا تھا، مگر تم ان حرام چیزوں کا استعمال کرتے ہو۔یہ تمام باتیں ان (عدی بن حاتم) کو تو معلوم تھی مگر لوگوں کو معلوم نہ تھی، جب آپ ﷺ نے اس کے سامنے یہ باتیں واضح فرمادی تو اس نے بھی آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا اقرار کیا اور اسلام قبول کرلیا۔

غرض یہ کہ مخاطب کو جاننے کے بعد ان سے گفتگو کے تمام مراحل بہ آسانی طے ہوں گے، اس لیے مدعو کا علم بہر

حال ضروری ہے۔ ہندوستانی قوم خصوصاً ہندوؤں میں بے شمار چھوٹے بڑے فرقے پائے جاتے ہیں اوران کو بہ آسانی جانا جاسکتا ہے۔مخاطب کے انداز گفتگو رہن سہن اور ابتدائیہ کلام یعنی جن کے ذریعہ سلام کرتے ہیں، مثلاً: ہرے راما، ہرے کرشنا، اوم شانتی، جئے بھیم جئے مہاراشٹر نام وغیرہ کے الفاظ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مدعو کا کس فرقہ سے تعلق ہے۔بعض مواقع ایسے بھی پیش آئیں گے کہ پوچھنے کی ضرورت پڑے گی۔مگر بغیر پوچھے مخاطب کے بارے میں جب ان کو بتادیا جائے تو وہ بہت زیادہ متاثر ہونگے بہ نسبت پوچھنے کے۔بیاں صورت مدعو کے دلوں میں داعی کی باتیں بہ سہولت اترسکیں گی اور خاصا اعتماد بھی ہوگا۔

مدعو سے علاقائی تہذیب کے ذریعے قربت پیدا کریں:

مدعو سے قربت پیدا کرنے کے اسباب میں سے ایک تہذیب ہے کہ اس سے مدعو اور داعی کے درمیان قربت پیدا ہوتی ہے۔مدعو کی تمام تہذیبوں کو اختیار نہیں کیا جا سکتا،البتہ علاقائی تہذیب کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔واضح رہے کہ ہندو تہذیب اور ہندوستانی تہذیب میں فرق ہے گیروے رنگ کا لباس ہندو تہذیب ہے ،جبکہ دھوتی ہندوستانی اور علاقائی تہذیب ہے۔ہندو تہذیب کو اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے،اس لئے اس کو نہیں اختیار کیا جا سکتا،لیکن اگر کوئی علاقائی تہذیب ہے تو اسے اختیار کیا جا سکتا ہے،ٹائی صلیب کی علامت نہیں ہے۔اس لیے کہ خود عیسائی لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ یہ صلیب کی علامت ہے،جبکہ مسلمان اس کو ایک مذہبی علامت صلیب کی نشانی سمجھتے ہیں جو کہ غلط ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر کس وناکس ٹائی لگانا شروع کردے۔داعی کو تو سادہ سے سادہ لباس اختیار کرنا چاہیے،ان کا لباس ایسا ہونا چاہیے کہ دیکھ کر ہی اسلام یاد آجائے۔

داعی گروہ میں مسلکی وسعت

ابتدائے اسلام میں کوئی گروہ بندی نہیں تھی، ایک ہی پاک باز جماعت صحابہ تھی۔اس کے بعد سب سے پہلی تفریق شیعہ اور سنی کی ہوئی، پھر باضابطہ کوئی تفریق اور تقسیم نہیں ہوئی، البتہ بعض اختلاف رائے کی بنیاد پر کئی گروہ بندیاں وجود میں آئیں۔پھر اس گروہ میں کئی ذیلی جماعتیں وجود میں آئیں۔افسوسناک بات یہ ہے کہ ان تمام جماعتوں میں آپسی اختلافات نے شدت اختیار کرلیا ہے اور کہیں بھی مثبت انداز کا نتیجہ نہیں آرہا ہے، بلکہ اُلٹا آپس میں نفرتیں پیدا ہورہی ہیں۔اس گروہ بندی سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ امت مسلمہ کی وحدت کا شیرازہ بکھر گیا ، پوری امت آپس کی غیر ضروری لڑائیوں میں الجھ کر رہ گئی۔جب کہ اس ملت کی لڑائی اور اس کی جدو جہد کفر وشرک کے خاتمے اور ایمان واسلام کے نفاذ کے لیے ہونی تھی۔اس گروہ بندی نے جہاں ملت کے افراد کو وحدت کے پلیٹ فارم سے دور کیا وہیں برادران وطن کے لیے ایمان واسلام قبول کرنے کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کردی ہے۔ضرورت

ہے کہ اس مسلکی تشدد سے احتراز کیا جائے اور اپنے اندر مسلکی وسعت پیدا کی جائے۔ اس سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ منتشر اور بکھرے ہوئے افراد کو اجتماعیت اور وحدت کا پلیٹ فارم ملے گا۔ اس کا ایک آسان ترین حل یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی جماعت اور گروہ سے منسوب کیے بغیر ہر شخص یہ کہے کہ میں تو مسلمان ہوں۔ یہ وہ نام ہے کہ جس کا انتخاب خود رب العلمین نے کیا ہے **"وسمٰکم المسلمین"** کہ اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرح سے ساری گروہ بندیاں ختم ہو جائیں چاہے اختلاف رائے ہو۔ دین وشریعت کا بیشتر حصہ سبھی ملکوں کے درمیان مشترک ہے، اس لئے اگر کاش ایسا ہوتا کہ پوری ملت اسلامیہ آپسی تنازعات و اختلافات کو بھلا کر دین و ایمان کے مشترک پلیٹ فارم پر جم بیٹھی اور سب مل کر ایمان و اسلام کی تبلیغ واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تو بہت جلد امت اسلامیہ متحد ہو جاتی اور دین حق کا غلبہ ہو جاتا۔

دین فطرت کی صحیح فہم ضروری ہے

دین اسلام ایک فطری دین ہے، جیسا کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: **کل مولود یولد علی الفطرۃ ابواہ یھو دانہ اوینصرأنہ** (.....) یعنی ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ یا تو یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ فطرت کی چیز بغیر سیکھائے ظاہر ہوتی ہے وہ اندر کی پکار ہوتی ہے۔ جیسے ایک چھوٹا بچہ جب اپنی پینٹ گیلی کر لیتا ہے تو رونا شروع کر دیتا ہے اور جب اس کی ماں پینٹ بدل دیتی ہے تو چپ ہو جاتا ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ غلاظت کو ناپسند کیا جائے اور ستھرائی کو پسند کیا جائے۔ دین فطرت کی صحیح فہم کی ضرورت کیوں پڑتی ہے۔ اگر کوئی ایسی چیز ہے جو فطرتاً معیوب شمار ہوتی ہے، مگر ہماری فہم میں وہ معیوب نہیں سمجھی جاتی ہے تو ایسے وقت میں صحیح فہم کی ضرورت پڑتی ہے؛ کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ہماری فہم میں غلطی ہو، یہ اس لیے کہ فطرت کبھی تبدیل نہیں ہوتی اور نہ اس کی پکار غلط ہوتی ہے، البتہ ہماری فہم میں غلطی کا امکان ہے۔ یہ تسلیم کر لینے سے بہت سے سوالات کے جوابات آسان ہو جاتے ہیں، ورنہ بہت مشکل ہوگی۔ مثال کے طور پر حضرت عائشہؓ کے نکاح کے تعلق سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ سے آپؓ کا نکاح سات سال کی عمر میں ہوا اور رخصتی نو سال کی عمر میں۔ فطرتاً یہ معیوب سمجھا جاتا ہے کہ سات سال کی لڑکی کا نکاح پچپن سال کے مرد سے کر دیا جائے اور دو سال بعد نو سال کی عمر میں رخصتی بھی کر دی جائے۔ یہ تو کوئی مناسب بات نہیں ہے؟ تحقیق کی بنیاد پر یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح سترہ سال کی عمر میں ہوا ہے اور رخصتی انیس سال کی عمر میں۔ اس طور پر کہ حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر عائشہ سے دس سال بڑی ہیں اور حضرت عائشہ دس سال چھوٹی ہیں، حضرت اسماء کا انتقال سنہ ۷۸ ھجری میں

اس وقت ہوا ہے جب ان کی عمر ۱۰۰ سال تھی ہجرت کے وقت حضرت اسماء کی عمر ۲۷ رسال تھی اور حضرت عائشہؓ ان سے دس سال چھوٹی ہیں تو اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ہجرت کے وقت ۱۷ سال ہوئی اور یہ بات بھی واضح ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ہجرت کے بعد ہی ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ ۱۷ رسال کی عمر میں نکاح اور ۱۹ رسال کی عمر میں رخصتی ہوئی ہے اور یہ معیوب نہیں، ایسا تو ہم بھی اپنی بہن اور بیٹیوں کے تعلق سے کرتے ہیں۔ اسی لیے دین فطرت کا صحیح فہم ضروری ہے تاکہ دارِد ہونے والے سوالات کا تشفی بخش جواب دیا جاسکے۔

حسن اخلاق

دعوت اسلام اور داعی اسلام کے اخلاق و کردار میں گہری مناسبت ہے انھیں ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی مثال تجارت اور پونجی کی سی ہے۔ تاجر اپنی تجارت میں جتنی پونجی اور جتنا مال لگائے گا، منافع بھی اسی قدر پائے گا، تجارت میں جتنی کم پونجی ہوگی نفع بھی کم ہوگا۔ اسی طرح داعی کے اخلاق و کردار جتنے اچھے ہوں گے مخاطب پر اسی قدر اثر انداز ہوگا۔ گویا دعوت اسلام میں داعی کی تجارت اور اخلاق و کردار اس کی پونجی ہے۔ ایک بڑا انقلاب لانے کے لیے حسن اخلاق ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اخلاق پوری انسانیت کے لیے نمونہ اور مشعل راہ ہے کہ نبوت سے پہلے ہی صادق و امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایسا عظیم انقلاب آیا کہ عرب کے کونے کونے اور اطراف و اکناف سے اسلام کی صدا بلند ہونے لگی اور آپ ﷺ نے اپنے پیارے صحابہؓ کی ایسی تربیت فرمائی کہ وہ اپنے اخلاق حسنہ اور قوت ایمان کے سبب دنیا کے تہائی حصہ پر اسلام کا جھنڈا نصب کر سکے۔ غرضیکہ حسن اخلاق اور کردار سے بڑے بڑے متکبر و متعالی اور ان کے علاوہ دیگر متوسطین وارذلین سب کے قلوب فتح کیے جاسکتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ جیل میں ہیں آپ کے ساتھ کئی قیدی ہیں ان میں سے دو قیدیوں نے خواب دیکھا تو اس کی تعبیر کسی اور سے نہیں پوچھی؛ بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی اور پھر کہا: **انا نراک من المحسنین** (یوسف:۳۶) کہ ہم تو آپ کو محسن پاتے ہیں۔ جس طرح ہمارے اخلاق بلند ہوں گے مخاطب کو اطمینان ہوگا اور پھر وہ ہر کام میں ہمارے مشورے کے منتظر ہوں گے اور پھر باہمی اعتماد و وثوق کو بھی بڑھاوا ملے گا۔ اس لیے ہمیں اخلاق حسنہ کو اپنانے کی حتی المقدور کوشش کرنے چاہیے۔

صبر و ضبط اور احتراز عن الجاهلين

اس روئے زمین پر جتنے انبیاء کی بعثت ہوئی ہے ان تمام کی سیرت صبر و ضبط سے لبریز ہے۔ ان پر ڈھائے گئے مصائب و آلام سے کون واقف نہیں ہے۔ رسول ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے، آپ ﷺ کے جسم اطہر پر غلاظت ڈالی گئی، ابوجہل نے آپ کو برا بھلا کہا، ان تمام حالات میں آپ ﷺ صبر و ضبط کے پہاڑ بن کر ڈٹے

رہے۔آپ ﷺ نے کبھی ان پر ردعمل نہیں کیا، کسی کا جواب نہیں دیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے قلوب میں آپ ﷺ کی محبت بیٹھتی گئی اور پھر ایک وقت آیا کہ دشمنان اسلام حامی اسلام اور محافظ رسول ﷺ بن کر اُبھرے۔اس لیے سیرت النبی ﷺ کا درس یاد کیا جائے اور راہ عمل میں آنے والی رکاوٹوں اور پریشانیوں کا حل حکمت اور مصلحت کے تقاضے سے کیا جائے،فوراً کسی ناخوشگوار واقعہ کا جواب نہ دیا جائے۔اگر دینے کی ضرورت بھی پڑے تو حکمت کے ساتھ دیا جائے ورنہ واقعہ طول پکڑ لے گا۔رسول اکرم ﷺ پوری انسانیت کے لیے نمونہ بنا کر بھیجے گئے تھے،آپ ﷺ نے ہر موڑ پر حکمت ومصلحت اور صبر وضبط کا مظاہرہ کیا ہے۔ناخوشگوار حالات میں صبر کرنا ہی اصل کمال ہے۔اس پر صبر کرنے سے مستقبل کی راہ ہموار ہوتی ہے۔اس لیے دعوت اسلام کی راہ میں آنے والے مسائل کو بڑی حکمت سے حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور جاہلوں کی طرف سے کوئی تکلیف دہ یا نازیبا کلمات کا صدور ہو تو ایسی حالت میں عفو کو درگذر کرنا چاہیے،جیسا کہ قرآن کریم نے کہا:**واذاخاطبھم الجاھلون قالو اسلاما** (فرقان:۶۳)یعنی اگر جاہل مخاطب ہو تو سلام کرتے ہوئے گذر جائے۔

تعلق مع اللہ اور دعا کا اہتمام

جس بندے کا اس کے مالک سے جتنا زیادہ مضبوط اور ٹھوس تعلق ہوگا اپنے رب سے اتنا ہی زیادہ مانگ سکے گا۔اس لیے اللہ سے تعلق ایک ناگزیر عمل ہے،اللہ سے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ہر عمل کا حساب لگائے اور اپنے آپ کو پورے طور پر اللہ کے حوالے کردے: **حسبنااللہ و نعم الوکیل** اور **نعم المولیٰ و نعم النصیر** ؛جیسے اذکار سے اپنے قلوب کی صفائی کرے،اس سے قلوب کی صفائی ہوتی ہے،اپنے اندر جلا پیدا ہوتی ہے اور اپنے ہر عمل کا محاسبہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔اپنے محاسبہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل کو یاد کیا جائے۔اچھے اعمال پر خدا کا شکر اور مزید توفیق کی دُعا کرنی چاہیے اور بُرے اعمال پر توبہ اور استغفار کرنے کی مشق ڈالنی چاہیے،اس نیت اور عزم وارادے سے کہ آئندہ کبھی اس طرح کے برے اعمال کا صدور نہیں ہوگا۔اس طرح اللہ سے تعلق قائم کیا جائے اور پھر برادران وطن اور مدعو کی ہدایت کی دعا کی جائے۔دعا عمومی اور خصوصی نام لے کر بھی کرنے کی مشق کی جائے۔اللہ کے رسول ﷺ نے نام لے کر بھی دعا مانگی ہے اور بغیر نام لیے پوری قوم کے لیے بھی۔دعوت اسلام میں دعا کی بڑی اہمیت ہے؛اس لیے بالخصوص دعا کا اھتمام کیا جائے۔دعا کے سلسلے میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے :الدعاء مخ العبادہ (الحدیث)دعا عبادت کا مغز ہے؛اور دوسری جگہ ارشاد ہے؛سلاح المؤمن الدعاء(الحدیث)دعا مومنوں کا ہتھیار ہے ؛اس لیے دعا ضروری ہے۔بہرصورت دعا کی جاسکتی ہے،اس لیے دعا کا اھتمام ضرور کیا جائے۔

نماز تہجد کا اہتمام

نماز تہجد کی اہمیت وفضیلت سے کسی کو انکار نہیں، یہ وہ نماز ہے کہ جس سے دلوں میں نرمی پیدا ہوتی ہے، درجات بلند کیے جاتے ہیں اور پھر یہ وقت ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان ساعتوں میں بالخصوص دعا قبول کی جاتی ہے۔ اس لیے اس نماز کا خوب اھتمام کیا جائے، اور اپنی ہر پریشانی خدا کے سامنے رکھ کر سربسجود ہو کر بارگاہ ایزدی میں ایک دو قطرے آنسو کے بہائے جائیں۔ یقیناً ایک دو قطرے آنسو کے بہنے کے عوض اللہ تعالیٰ رحمت و برکت کا ایسا سمندر عطا کرے گا کہ وہ کبھی خشک نہ ہوگا۔ اس رحیم وکریم ذات کے خزانے سے مانگنے کا یہ بہت سنہرا موقع ہے۔ اس لیے حتی المقدور نماز تہجد کے ادا کرنے کی کوشش کی جائے، اللہ تعالیٰ نے یہ نماز اپنے حبیب ﷺ پر بالخصوص فرض کی تھی اور آپ ﷺ نے پوری عمر اس نماز کا اھتمام کیا۔ اس لیے متبع نبی ﷺ اور وارث انبیاء کی نسبت سے ہمیں تو اس نماز کا اھتمام ضرور کرنا چاہیئے۔

اسلام کی عملی شھادت

غیر مسلموں میں دعوتی کام کرنے والوں کے لیے یہ ایک اہم نکتہ ہے۔ اگر داعی اسلام کے سلسلے میں عدم واقفیت یا نیم واقفیت کا شکار ہے تو اپنے غیر مسلم مخاطب کو کس طرح اسلام کے سلسلے میں مطمئن کرسکتا ہے؟ داعی نہ صرف یہ کہ اسلام کو اس کے وسیع تر مفہوم کو جانتا ہو بلکہ وہ اسلامی احکام وقوانین پر عمل پیرا بھی ہو۔ وہ اسلام کی چلتی پھرتی اور جیتی جاگتی تصویر ہو، مجسم اخلاق وکردار ہو۔ قول وعمل کا تضاد اس کے اندر نہ ہو بلکہ اس کی پوری زندگی اسلامی سانچے میں ڈھلی ہو۔ کردار سازی کے سلسلے میں تصنع اور ظاہر داری کی ہرگز آمیزش نہیں ہونی چاہیے۔ نہ اس میں کوئی غیر اسلامی جذبہ کارفرما ہونا چاہیے۔ عموماً داعی کو بہت کڑی نظروں سے پرکھا جاتا ہے، اسے بے حد سنبھل کر رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے وہ اس کسوٹی پر پورا نہ اتر سکا تو اس کے خراب نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ داعی کو اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ مسلم سماج کی طرف بھی توجہ مبذول کرنا چاہیے، اسے ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کے لیے بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ جو غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی قولی وعملی شہادت دے سکے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ غیر مسلم اسلام اور مسلمان سماج کے درمیان تضاد کی واضح خلیج پاکر اسلام سے بدظن نہ ہوجائیں۔ دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ مسلمانوں میں اصلاحی کام یا غیر مسلموں میں دعوتی کام سے گریز کے لیے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ابھی خود اپنی اصلاح نہیں ہوئی ہے، ہم دوسروں کی اصلاح کیا کریں، جب ہم خود کو اسلام کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال لیں گے تو دوسروں میں دعوت دین کا کام شروع کریں گے۔ یہ نہایت غلط تصور ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات اچھی طرح ملحوظ رکھنی چاہیے کہ دعوت دین بھی اصلاح کا ایک عمدہ اور مؤثر ذریعہ ہے کہ، جب داعی اپنی کتاب زندگی کو لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیتا ہے تب لوگوں کی کڑی نظریں اس کی ان خامیوں کی بھی نشاندہی کردیتی ہیں جو اس کی نظروں سے پوشیدہ

ہوتی ہیں یا جن کو وہ محاسن میں شمار کرتا ہے۔ وہ غیر مسلم حضرات جو اسلام کا مطالعہ کررہے ہیں یا وہ نو مسلم جو اسلام کی صداقت پر ایمان لے آتے ہیں، اسلامی نقطۂ نظر سے مسلم سماج کی خرابیوں پر بڑی بے لاگ اور تنقید کرتے ہیں اس طرح داعی کو اپنی ذاتی اصلاح اور مسلم معاشرے کے سدھار میں بڑی حد تک آسانی ہو جاتی ہے۔

همت و جرء ا کا ثبوت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور اسے عقل دے دی تا کہ وہ اپنے لیے فائدے اور نقصان کو سمجھ سکے، ایک اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر گذار بندہ بن سکے اور اپنا فرض منصبی بحسن وخوبی انجام دینے میں کسی طرح کی روکاوٹ ہو تو خوش اسلوبی کے ساتھ اس کا دفاع بھی کرتا رہے۔ اس دنیا میں اس وقت مومنوں پر غیر مسلم برادران کا رعب اتنا چھا گیا ہے کہ مسلمانوں کے پاس حق ہونے کے باوجود ان میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ لوگوں کو للکار سکے اور یہ بانگ دہل ایمان و اسلام کی دعوت دے سکے۔ یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے کہ فتنہ وفساد رونما ہو جائے گا اور حالات خراب ہو جائیں گے۔ یہ ایسی مہلک سوچ ہے کہ مسلمانوں کو قعر مذلت میں گرا دینے کے درپہ ہے۔ اس لیے اس بیماری کا علاج نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے داعی گروہ کو اپنی حفاظت میں رکھا ہے (**واللـــه یعصمک من الـنـاس**) غور طلب بات یہ ہے کہ داعی اللہ کے سفیر ہوتے ہیں اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے سفیر کی حفاظت نہ کرے؟

دوسری اہم بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں یہ بات واضح فرمادی ہے کہ مشرکین کے پاس شرک پر کوئی دلیل نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: **ومـــن یـــد عـوامع الله اله آخر لابرهان له به** (المومنون: ۱۱۷) ''جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسروں کو پکارتے ہیں ان کے لیے اس شرک پر کوئی دلیل نہیں ہے'' جب اللہ نے کہہ دیا ہے تو پھر ڈرنے کی کیا بات ہے؟ اب بھی اگر شک باقی ہے تو گویا قرآن کے اعلان میں شک ہے (**نعوذبالله من ذالک**) یہ بات ذہن میں رہے کہ تورات، انجیل اور دیگر ہندو مذہبی کتابوں میں کہیں بھی کسی بھی طرح شرک پر کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے ہمت کریں اور اپنے برادارن وطن کو بلاخوف وخطر دعوت ایمان دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ نے تو ایسی جوانمردی اور جراء تمندی کا اظہار فرمایا کہ آپ کی بے مثال حکمرانی کا ڈنکا چہاردانگ عالم میں بجنے لگا اور پھر آپ کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنے کی کسی میں کوئی طاقت باقی نہ رہی۔ آج بھی اگر ایمانی حرارت کو لیے ہم مسلمان دنیا کے کونے کونے، گوشے گوشے میں پھریں تو یقیناً کامیابی قدم بوس ہوگی اور دنیا جھک کر سلام کرے گی۔ کاش مسلمان اپنی جراء تمندی کا اظہار کرتے اور اللہ کے پیغام کو لیکر اللہ کے بندوں تک پہنچ کر ان کو ایمان و اسلام کی تعلیمات سے واقف کرا کر اللہ کے دین میں داخل کرتے۔

☆☆☆☆☆

Books Written By Mr. Q.S. Khan

Hindi Translation of "Law of success for both the worlds" By Dr. Vimla Malhotra

Marathi Translation of "Law of success for both the worlds" By Mr. Sushil S. Limye

TANVEER PUBLICATION

Hydro Electric Machinery Premises, A/13, Ram-Rahim Udyog Nagar, Bus stop Lane, L.B.S. Road,Sonapur, Bhandup (w) Mumbai - 400078.

Email: hydelect@vsnl.com / khanqs1961@gmail.com Mob:09320064026

Website: www.tanveerpublication.com, www.freeeducation.co.in